ISSN 1998-6483

فقہ اسلامی سے دلچسپی رکھنے والے طلبا و اہل علم کا ترجمان

علمی و تحقیقی مجلہ

مسلسل خدمت کے 19 سال

نومبر 2019ء

فقہ اسلامی

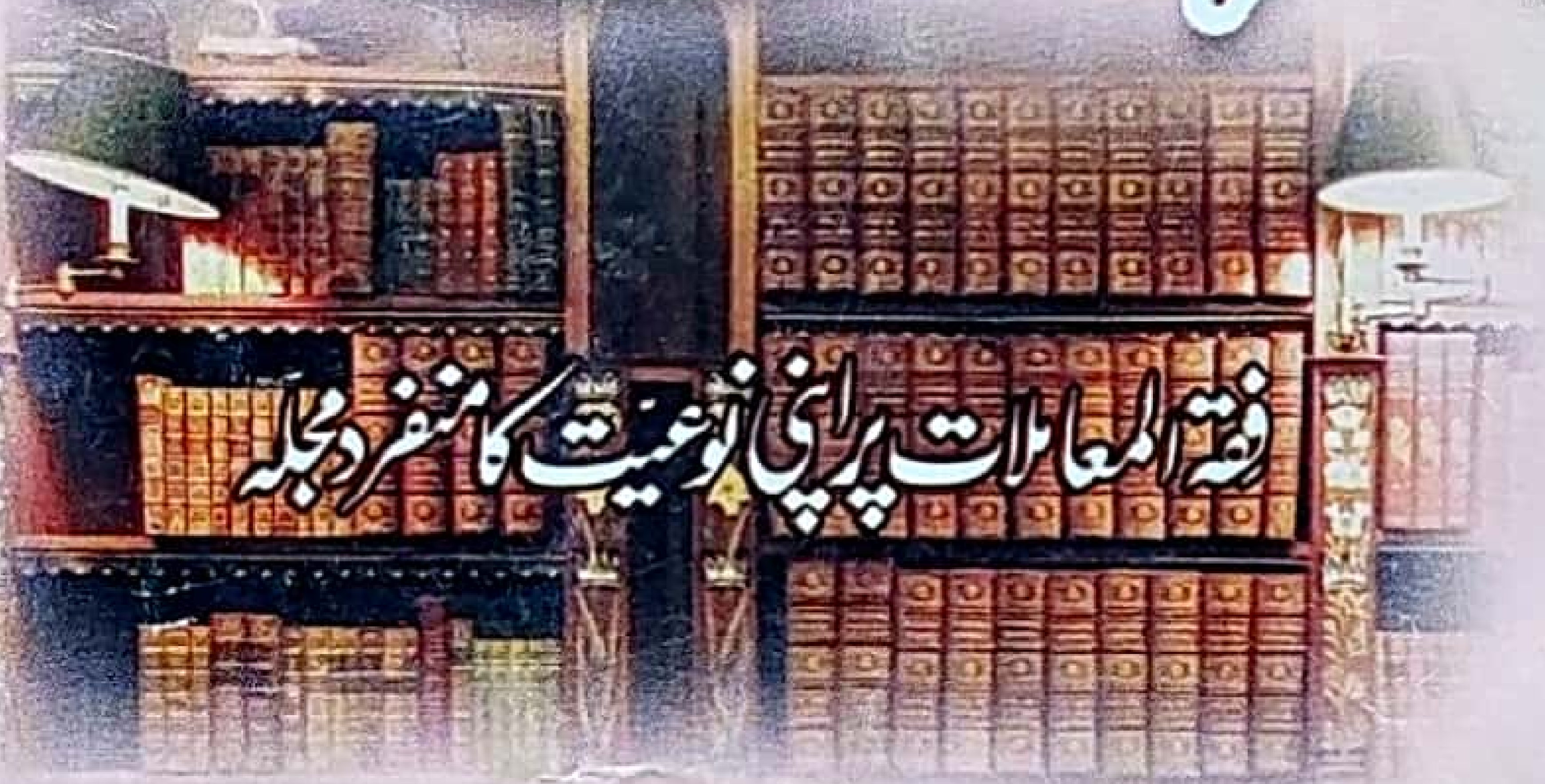

مدیر اعلیٰ و مؤسس

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

پوسٹ بکس نمبر 17777 گلشن اقبال، کراچی

Scanned with CamScanner

علمی و تحقیقی مجلّہ

فقہِ اسلامی

کراچی

ربیع الاوّل/ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ نومبر ۲۰۱۹ء

جلد 20 شمارہ 11

مدیر اعلیٰ و مؤسس

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

مدیر مُساعد
ڈاکٹر محمد صحبت خان کوہاٹی
پروفیسر محبوب الحسن بخاری

مدیر مسؤل
حافظ محمد عبد الرحمن ثانی

فقہ المعاملات پر اپنی نوعیت کا منفرد مجلّہ

فہرست

اداریہ	2
شریعت مطہرہ اور پاکستان میں اسقاط حمل کا قانون	6
میانوی خاندانِ مفتیاں کی علمی و ادبی اور دینی و علمی خدمات کا تحقیقی جائزہ	19
حضرت امام شافعی کا ایک اور دور ابتلاء	36
"گلیوں" سے متعلق معاملات اور مسائل	41
فنِ تدریس ایک تحقیقی مطالعہ	52

مجلس ادارت

مدیران
- علامہ غلام نصیر الدین نصیر
- علامہ محمد اسحاق ظفر
- علامہ سید محمد عارف شاہ اویسی
- قاری محمد اجمل منصور

معاونین و نمائندگان

قاری محمد اسلم سیالوی	یوکے
قاری محمد راسب	یوکے
حافظ محمد عمران......	کراچی
مولانا خان محمد قادری	راولپنڈی
مولانا طاہر عزیز باروی	اوسلو

ممبر شپ فیس

فی شمارہ :25 روپے 300 روپے سالانہ

کوریئر منی آرڈر: حافظ محمد عبد الرحمن ثانی
P-98 خطیب ہاؤس
پنجاب ٹاؤن، ملیر ہالٹ کراچی
فون: 0312-2090-807
موبائل: 0333-2376-985
ای میل Shahtaz.na@gmail.com, www.facebook.com/fiqheislami

Postal (R) No.
SC (MC) - 1148

نوٹ: مجلس ادارت کا مقالہ نگاروں کے موقف سے اتفاق ضروری نہیں

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین......

اداریہ

ہر سال کی طرح اس سال بھی ماہ مبارک ربیع الاول میں مسلمانانِ عالم نے محبت وعقیدت واحترام سے محافل میلاد وسیرت کا اہتمام کیا۔ یونیورسٹیز اور دیگر تعلیمی اداروں میں نعت خوانی، تقاریر کے مقابلے، سیمینارز اور کانفرنسز منعقد ہوئیں اور ماہ ربیع الاول بڑے تزک واحتشام کے ساتھ منایا گیا۔
اک بار پھر گلی گلی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کی محفلیں سجیں، پھر ذکرِ خدا ورسول کی بہار آئی، پھر صلوۃ وسلام کی صدائیں گونجیں، دنیا بھر کے مسلمانوں نے ایک بار پھر اظہار یک جہتی کیا اور لبیک یارسول اللہ کے بینر اور پرچم عرب وعجم میں لہراتے نظر آئے۔ اس موقع پر نوجوانوں کا جذبہ دیدنی تھا، قمقمے لگا رہے ہیں، جھنڈیاں بنا رہے ہیں، بینر تیار کروا رہے ہیں، چاکنگ ہورہی ہے، اسٹیج سج رہے ہیں، نعت خوانوں سے منہ مانگے داموں وقت کا سودا ہورہا ہے، علماء کرام کی خوشامدیں کی جارہی ہیں حضور اب کی بار تو ضرور وقت دے دیجئے، اس طرف عشق ومحبت رسول کے یہ مناظر ہیں تو دوسری طرف بعض مقررین اس موقع پر اپنے وعظ کی بولیاں لگواتے ہیں، وہاں جاؤں گا جہاں سے اتنے ہزار ملیں گے، کوئی دن خالی نہیں نہ رات خالی ہے، ڈائری کے تمام صفحات پر ہیں، کوئی مجھ ایسی تقریر کرکے تو دکھائے، مان جاؤں گا، ٹی وی والے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں ابھی فون آیا تھا منع کردیا میں نے صرف آپ کے پروگرام کی خاطر۔ پھر ایک دوسرے کی غیبتیں ہیں، طعنہ زنی ہے، اور عشق رسول کا دعوی بھی اپنی جگہ پکا ہے، گویا نافرمانیٔ رسول سے حب وعشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی فرق نہیں پڑتا ایسا لگتا ہے کہ یہ حکم عوام کے لئے ہے واعظین اور مقررین کے لئے نہیں، یہ اور اس طرح کے دیگر رویے، سیرت مصطفی سے یکسر مختلف ہیں، بے شمار موضوعات اور ان گنت پہلو ہیں سیرتِ مصطفی کے مگر افسوس کہ ہنوز ہمارے واعظین کو رد وتردید کے موضوعات سے فرصت نہیں۔ سیرت پر بولنے کے لئے کس قدر مواد قرآن وسنت نے فراہم کیا ہے اور کتنے موضوعات کی طرف رہنمائی کی گئی ہے مگر ہمارا مقرر زمین جنبد نہ جنبد گل محمد بنا وہی "تڑپا اور پھڑکا دینے والی" تقریروں ہی کی تکرار کے درپے ہے۔ سالِ گزشتہ کی طرح اس سال بھی ہم اس امید سے چند موضوعات سیرت پیش کرتے ہیں کہ اس بار ربیع الاول میں واعظین خوش

گلو، ان میں سے بعض پر تیاری کے ساتھ گفتگو کی زحمت فرمائیں گے تاکہ سیرت کے جمالیاتی پہلو کے ساتھ ساتھ عملی زندگی سے متعلق گوشوں سے بھی عوام کو روشناس کرایا جاسکے۔ یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ گزشتہ سال ہمارے ایک مقرر دوست نے کہا ڈاکٹر صاحب جو موضوعات آپ نے دیئے ہیں وہ بہت اچھے ہیں مگر ان موضوعات پر نعرے کوئی نہیں لگاتا اور نہ کوئی نوٹ نچھاور کرتا ہے۔اور جس تقریر پر نہ نعرے لگیں نہ ہن برسے وہ تقریر بے کار سمجھی جاتی ہے اور وہ مقرر نالائق گردانا جاتا ہے۔باقی آپ کی مرضی آپ جو چاہیں لکھیں۔

اس صورت حال کی پرواہ کئے بغیر ہم پھر صحرا میں اذان دے رہے ہیں اور بعض اہم موضوعات پیش کرتے ہیں کہ ان پر بولنے کی اشد ضرورت ہے۔ وواللّٰہ ولی التوفیق۔

☆۔سیرت کی تعریف اور حدود قیود ☆۔سیرت النبی اور ہماری زندگی ☆۔اسوہ واصول کی ہم آہنگی ☆۔مقامِ مصطفی ﷺ قرآن کی روشنی میں ☆۔حضور ﷺ کا تعلیمی انقلاب ☆۔میثاقِ مدینہ کی روشنی میں سیاستِ مصطفوی ☆۔رسول اللہ ﷺ کی دفاعی حکمتِ عملی ☆۔رسول اللہ ﷺ کی عسکری مہمات ☆۔انسانی کلوننگ سیرت وسنت کے آئینے میں ☆۔جانوروں کے حقوق سیرت وسنت کی روشنی میں ☆۔اصولِ تجارت اور ہادیٔ اعظم ﷺ ☆۔تقدیسِ آباءِ رسول ﷺ ☆۔اخلاقِ مصطفی ﷺ ☆۔رسول اللہ ﷺ کی اعتدال پسندی ☆۔دوسروں کی رائے کا احترام نگاہِ مصطفوی میں ☆۔سرکارِ دوعالم ﷺ کا طریقِ تربیت ☆۔ رسول اللہ ﷺ کی عائلی زندگی ☆۔مصائب وآلام میں اسوۂ رسول ☆۔اطاعتِ مصطفی ﷺ عینِ اطاعت خدا ہے ☆۔جنت میں معیتِ رسول ﷺ ☆۔حبِ رسول اور اتباعِ رسول ﷺ کی برکات ☆۔حبِ رسول ﷺ کے تقاضے ☆۔اصلاحِ معاشرہ میں سیرتِ رسول ﷺ سے رہنمائی ☆۔خواتین اور اسوۂ رسولِ اکرم ﷺ ☆۔اسلامی طرزِ معاشرت سیرتِ طیبہ کے آئینے میں ☆۔قوانینِ جنگ اور اسوۂ مصطفی ﷺ ☆۔جنگی قیدیوں سے مصطفوی سلوک ☆۔نبی اکرم ﷺ بحیثیت سپہ سالارِ اعظم ☆۔نبی کریم ﷺ بحیثیت داعیٔ امن واخوت ☆۔نبی کریم ﷺ بحیثیت رحمۃ للعالمین ☆۔نبی کریم ﷺ بحیثیت مشفقِ انسانیت ☆۔نبی کریم ﷺ بحیثیت حکم وقاضی ☆۔نبی کریم ﷺ بحیثیت داعیٔ عدل ومساوات ☆۔نبی کریم ﷺ بحیثیت ذی وقار شہری ☆۔نبی کریم ﷺ بحیثیت افصح العرب خطیب ☆۔نبی کریم ﷺ بحیثیت صادق وامین تاجر ☆۔نبی کریم ﷺ بحیثیت اولوالعزم

مبلغ و داعی ☆۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت اعلیٰ ترین معلم انسانیت ☆۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت کامیاب ترین داعیٔ انقلاب ☆۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت بے مثال مربی و مزکی ☆۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت عظیم مدبر و منتظم ☆۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت لاثانی مقنن ☆۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت عدیم النظیر منصف و قاضی ☆۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت عظیم الشان معاشی و معاشرتی اسوہ کے مالک انسان ☆۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت صاحب خلقِ عظیم ☆۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت قابلِ تقلید سربراہ خاندان ☆۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت عظیم و خلیق شوہر ☆۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت مصلحِ اعظم ☆۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت نبی کل کائنات ☆۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے حادثاتی لمحات ☆۔ کتاب خداوندی اور شخصیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ☆۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مردم شناسی ☆۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ جہانبانی ☆۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رواداری ☆۔ قیام امن کے سلسلہ میں اسوۂ رسول سے رہنمائی ☆۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غیر مسلموں سے حسنِ سلوک ☆۔ ملکی استحکام کے سلسلہ میں سیرتِ طیبہ سے رہنمائی ☆۔ عہدِ رسالت میں ریاست کا ارتقاء ☆۔ نبی کریم کے کلامِ مبارک کی اعجاز آفرینیاں ☆۔ لولاک لما خلقت الافلاک ☆۔ غیر مسلموں کے لئے سیرت طیبہ میں رہنمائی ☆۔ عدمِ برداشت اور تعلیماتِ نبوی ☆۔ سیاستِ خارجہ کے اصول اسوۂ رسول کی روشنی میں ☆۔ سائنسی تجربات اور سیرتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ☆۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بچوں سے شفقت و محبت ☆۔ نبوتِ محمدی کا عقلی ثبوت ☆۔ عقیدۂ رسالت اور آخرت ☆۔ ایمان بالرسالت کی اہمیت ☆۔ بعثتِ محمدی توراۃ و انجیل برناباس میں ☆۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلسی اور عوامی زندگی ☆۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عفو و درگزر ☆۔ معمولاتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ☆۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئیاں اور موجودہ عالمی صورتحال ☆۔ نبی کریم کا فنِ حرب ☆۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہماری عملی زندگی ☆۔ عشقِ رسول اقبال کی نظر میں ☆۔ مستشرقین اور سیرتِ رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ☆۔ حالاتِ حاضرہ میں سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رہنمائی۔

ماہ مبارک کی مبارک محافل میں حسب سابق ذکر خدا اور سول عام دنوں سے ہٹ کر کچھ زیادہ اہتمام کے ساتھ کیا گیا۔ نعت خواں حضرات نے خوبصورت لباسوں میں ملبوس ہو کر، اور خوش نما آوازوں میں نعت سنا کر محافل نعت میں رنگ بھرا اور واعظین خوش بیاں نے اپنی دل آویز تقاریر کے ذریعہ

Scanned with CamScanner

سامعین کے قلوب کو گرمایا۔اب جبکہ سنی عوام کے دل عشق رسالت مآب سے لبریز ہیں اور دماغ ذکر مصطفی سے معطر ہو چکے ہیں تو انہیں اتباع مصطفی میں یقینا دل جمعی نصیب ہو رہی ہوگی ، اتباع مصطفی کا تقاضا ہے کہ سنت پر عمل کرتے ہوئے معاملات میں عدل اور توازن پیدا کیا جائے، معاملات میں عدل اور توازن تب پیدا ہوتا ہے جب یہ طے کرلیا جائے کہ زندگی حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بسر کرنی ہے اور حب محبوب اتباع محبوب کو مستلزم ہے۔ چنانچہ محبت کی جو جہات بزرگان دین نے ارشاد فرمائی ہیں ان کی رو سے پہلی جہت یہ ہے کہ ہر اس عمل سے گریز کیا جائے جو محبوب کو ناپسند ہو۔

دوسری جہت یہ ہے کہ محبوب کا ذکر تذکرہ ہر وقت نوک زباں پہ رہے اور دل بھی اس کے ذکر سے معمور ہو۔

تیسری جہت یہ ہے کہ اپنے ہر قول و فعل میں اس بات کا لحاظ رکھے کہ اس سے محبوب کی خوشنودی حاصل کرنا مقصود ہے۔

چوتھی جہت یہ ہے کہ اس کے دل میں محبوب کے سوا کسی اور سے محبت کا داعیہ باقی نہ رہے۔

۔حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک رسالہ مبداء و معاد میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"......کوشش کرنی چاہیے کہ سنت کے مطابق عمل ہو، اور بدعت سے بچا جائے، بالخصوص اس بدعت سے جو سنت کو چھوڑنے والی ہو۔حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا جو کوئی ہمارے دین میں نئی بات کہے اس کو رد کر دیا جائے۔ایک جماعت کے احوال پر تعجب ہوتا ہے کہ دین میں اس کے مکمل اور تمام ہونے کے باجود نئی چیزیں داخل کر دیتے ہیں۔اور ان نئی باتوں سے دین کی تکمیل کی کوشش کرتے ہیں اور اس بارے ذرا خوف نہیں رکھتے کہ شاید اس اختراع سے سنت کو چھوڑا جا رہا ہے۔......"

مشائخ عظام نے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو عملی صورتیں پیش کی ہیں حقیقتا وہی لائق اتباع ہیں ۔اس بار بڑے شہروں میں ہونے والی محافل میلاد اور سیرت کانفرنسوں میں ایک بات پہلے سے زیادہ دیکھنے میں آئی کہ محفل کے اختتام پر سامعین میں کوئی نہ کوئی کتاب تقسیم کی گئی بعض محافل میں نورانی بیانات و نعتوں کی سی ڈیز بانٹی گئیں ۔ یہ ایک اچھا رجحان ہے اور اس میں مزید اضافہ ہونا چاہیے ۔اللھم زد فزد۔۔۔۔۔اللہ رب العزت ہمیں ماہِ ربیع الاول کے احترام کے تقاضوں کے ساتھ اس ماہِ مبارک کی برکتیں سمیٹنے اور تعمیرِ کردار و سیرت کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

☆......پس از من گو جہاں را آب گیرد......☆

Scanned with CamScanner

شریعت مطہرہ اور
پاکستان میں اسقاط حمل کا قانون

(قسطِ ششم)

ڈاکٹر فرح اسلم

ہم مغربی مفکرین کی ایسی بے شمار تحریریں پیش کر سکتے ہیں مگر آنکھیں کھولنے کے لیے یہ شہادتیں کافی ہیں۔تاریخ کا بے لاگ مطالعہ اس نا قابل انکار حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ کسی بھی مغربی ملک میں ضبط ولادت کی پالیسی کو اس لیے اختیار نہیں کیا گیا کہ اس ملک میں معاشی وسائل کی قلت تھی اور ملکی پیداوار آبادی کی روزافزوں ضرورتوں کے لیے ناکافی تھی۔اس تحریک کی ترویج کا زمانہ (انیسویں صدی کے نصف آخر سے بیسویں صدی کے اولیں ۳۰ سال تک) یورپ وامریکا کی معاشی ترقی اور اقتصادی خوش حالی کا زمانہ ہے (ا) کہا جاتا ہے کہ زمین میں قابل سکونت جگہ محدود ہے۔انسان کے لیے وسائل معاش بھی محدود ہیں' لیکن انسانی نسلوں میں افزائش کی قابلیت غیر محدود ہے۔زمین میں ایک اچھے معیار زندگی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ۵ ہزار ملین آدمی سما سکتے ہیں اگلے سالوں میں زمین انسانوں سے بھر جائے گی اور اس کے بعد جو اضافہ ہوگا وہ اولاد آدم کے معیار زندگی کو گراتا چلا جائے گا' اس لیے منصوبہ بندی ضروری ہے۔

اس بیاں میں ایک' ایک کو نکتہ وار لیتے ہیں۔

زمین میں جگہ: زمین کا کل رقبہ ۵ کروڑ ۱۷ لاکھ اور ۶۸ ہزار مربع میل ہے۔کل آبادی جس کا تخمینہ ۱۹۴۰ء کے عشرے میں یہ لگایا تھا کہ اگلے ۳۰ سالوں میں ۶ ہزار ملین ہو جائے گی' وہ ۲۰۰۶ء تک ۶۵۲۵ ملین تھی جب کہ ۳۰ سال ۱۹۷۰ء میں ہو چکے تھے اور ۱۹۸۰ء میں بھی آبادی ۴۴۵۳ ملین تھی۔اندازے غلط ثابت ہوئے۔

رقبہ اور آبادی میں گنجانی کا اوسط ۲۰۰۳ء میں ۴۶/km۲ تھا۔جبکہ ۱۹۵۹ء میں ۲km۶۔۲۱ تھا۔

☆ اذا یئس الانسان طال لسانه ...... کسنور مغلوب یصول علی الکلب ☆

مختلف ممالک میں ایک مربع کیلومیٹر ((1km2 میں رہنے والے افراد کی تعداد کچھ یوں ہے۔

چین میں 136/km2 ۔ بھارت 324/km2 ۔ امریکا 31/km2 ۔ انڈونیشیا 115/km2 ۔ رشین فیڈریشن 8/km2 ۔ پاکستان 193/km2 ۔ جاپان 338/km2 ۔ جرمنی 321/km2 برطانیہ 243/km2 ۔ فرانس 109/km2 ۔ اٹلی 191/km2 ۔ کوریا 482/km2

امریکا جہاں اسقاط کی شرح 24/1000 عورتیں ہیں، وہاں ایک km2 میں 31 افراد جبکہ جاپان جس کا شمار دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں ہوتا ہے وہاں ایک مربع کیلومیٹر (km2) میں افراد پاکستان سے زیادہ ہے۔ یہی حال برطانیہ، فرانس، جرمنی کا بھی ہے۔ اٹلی میں تقریبا پاکستان کے برابر ہے، لیکن اقتصادی حالت میں دونوں ملکوں کا موازنہ واضح ہے۔

پاکستان کا ۱۹۶۰ء میں 91/km2 تھا، جواب 193/km2 ہوگیا اس کا مطلب ہے سالانہ 2.43/km2 کا اضافہ ہوا ہے۔ ایک مربع کلومیٹر میں سالانہ ۴۔۲ افراد کا اضافہ ہے جس پر پاکستانی حکومت کی پوری مشنری، ریاستی حکام، میڈیا پالیسی میں روزانہ تقریبا ۶ گھنٹے اس پر خرچ ہو رہے ہیں اور بیرونی امداد اور قرضے اس پروگرام سے مشروط ہیں۔ جو رقم اس پالیسی کی ترویج واشاعت میں لگ رہی ہے اگر بچوں کی تعلیم وتربیت میں اور عورتوں کی صحت کے منصوبوں پر خرچ ہو جائے تو ہر قسم کے جھوٹے دعوؤں کی قلعی کھل جائے گی۔ وسائل معاش کے بارے میں یہ بات سامنے آچکی ہے کہ دنیا کے وسائل کے ختم ہونے کے جتنے الارم بجائے جا چکے ہیں، وہ سب ڈھکوسلے کے سوا کچھ نہیں تھا جہاں سے یہ نعرے اٹھے وہاں کے اعداد وشمار خود ان دعوؤں کی نفی کر چکے ہیں۔ دنیا کے رقبے کا صرف 10.15 فیصد اس وقت زیر کاشت ہے اور باقی ۹۰ فیصد میں اگر جنگلات اور چراگاہوں وغیرہ کو نکال دیا جائے تب بھی کل زمین کا ۷۰ فیصد ابھی بیکار پڑا ہے۔ نیز جو حصہ زیر کاشت ہے اس میں بھی صحیح طور پر کاشت کا علاقہ اس سے کم ہے۔ پاکستان کا کل جغرافیائی رقبہ ۰۵۔۲۰۰۴ کے مطابق ۶۱۔۷۹ ملین ہیکٹرز ہے جبکہ Tital reported area 57.42 ملین ہیکٹرز ہے۔ اس میں وہ علاقہ جس سے زرعی پیداوار حاصل کی گئی ہو وہ کل 15.97 ملین ہیکٹرز ہے اور وہ علاقہ جہاں ایک سے زائد مرتبہ فصل لگائی گئی وہ کل میں سے صرف 7.07 ملین ہیکٹرز ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کتنا رقبہ ہے جو زرعی پیداوار کے قابل ہے اور کتنے رقبے پر ایک سے زائد مرتبہ زراعت کی گئی (1960,27.8 میں یہ کل کا 26/ تھا یعنی 1960 سے اب تک صرف 1.8/ زمین

کاشت کے قابل بنائی گئی ہے وسائل اورزمین کے استعمال کی رفتار سے ترقی کا بخوبی اندازہ کیاجاسکتاہے)جب کہ پاکستان کا GDP کبھی بھی مستقل بنیادوں پر قائم نہیں رہا۔ صرف 1980.1990 تک کادورتھاجب کہ وہ 2/ سے اوپر رہا۔حالیہ اضافہ ماہرین کی رائے میں صرف عارضی نوعیت کا ہے۔

اس میزانئے سے اندازہ ہوتاہے کہ Average GDPسب سے زیادہ 1960.70 کے درمیان تھا'جب کہ اس دوران پاکستان کی آبادی اورFertility Rate کاتناسب بھی بڑھاہواتھا۔Fertility rate:6.28 Grwth rate:4.0تھاجوکہ بالترتیب 86. 1اور5. 08ہوگیاہے۔پاکستان کی شہری آبادی کاصرف 32/ حصہ'60/ پیداوارکاکنزیومر(استعمال کرتا)ہے اوریہی آبادی کاسب سے زیادہ'29/ کنزیومرحصہ'کل آبادی کا15/ ہے۔اسی طرح پاکستان کی تقابلی گندم اورچاول کی پیداواربھی دیگرترقی پذیرممالک سے کم ہورہی ہے۔

''ایک زرعی معیشت کے اندرخاندان میں افرادکااضافہ بڑی اہمیت رکھتاہے جوافرادمحض کتابی علم رکھتے ہیں اورہندسوں کے کھیل سے گھبرااٹھتے ہیں اوران کے لیے اس بات کوسمجھنامشکل ہے'مگرجن کوحالات کاعلم ہے وہ جانتے ہیں کہ ایک زرعی خاندان میں اضافہ معاشی حیثیت سے بہت بڑی نعمت ثابت ہوتاہے۔زراعت پیشہ خاندان کے لیے اس سے بڑی مصیبت کوئی نہیں ہوسکتی کہ ان کے بچے کم ہوں اورانہیں باہرسے محنت فراہم کرنی پڑے'ان کابچہ کھیت پرہاتھ بٹاتاہے'ایک معاشی تحفظ فراہم کرتاہے اورایک نفسیاتی اطمینان کہ وہ اس کے نام ونسب کے ساتھ زمین کوبھی محفوظ کرے گا۔

ہ......''پاکستان جس کی آبادی کا75فیصدزراعت سے وابستہ ہے وہ اس بات کامتحمل ہی نہیں ہوسکتاکہ اس کی زرعی محنت میں کمی ہو۔مغربی ممالک کے شہری حالات پراس ملک کے مسائل کوقیاس کرناہمارے لیےکبھی صحت مندانہ طرزفکرنہیں ہوسکتا''

ہ......انسانی نسلوں میں افزائش کی قابلیت غیرمحدودہے۔یہ بات بالکل حقیقت ہے انسان توکیابہت سے جانوراگراللہ کے حکم سے روک نہ دیئے جائیں توصرف ان کی نسل کی بڑھوتری سے یہ روئے زمین بھرجائے اورکسی اورکے رہنے کی گنجائش ہی نہ رہے۔ایک مچھلی(Stat fish)ایک وقت میں20 کروڑانڈے دیتی ہے اگروہ تلف نہ ہوتوسمندرمیں پاؤں ڈالنے کی بھی گنجائش نہ ہو۔اس طرح

ایک مرد کی Reproguctive صلاحیت سے ایک وقت میں 30.40 کروڑ عورتیں حاملہ ہوسکتی ہیں۔اگر صرف ایک ہی مرد کی پوری تولیدی صلاحیت کو موقع دیا جائے تو چند سال میں اسی سے اولاد آدم زمین پر پھیل سکتی ہے۔(اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں) یہ ایک کنٹرول کرنے والی ہستی کا کنٹرول ہے جو صرف ایک وقت میں ایک یا زیادہ سے زیادہ Sperms,3.4 کو اجازت دیتا ہے(اس سے زیادہ عموماً زندہ نہیں رہتے)۔آبادی پر کنٹرول رکھنے والی وہی ہستی جانوروں اور دیگر حشرات الارض کی نسل کو ایک قابو میں رکھتی ہے اور انہیں ایک حد سے بڑھنے نہیں دیتی۔وہ ٹھیک ٹھیک حساب سے قسم قسم کی مخلوقات پیدا کر رہا ہے کہ نہ اس میں افراط ہوتی ہے نہ تفریط۔اس کا خود یہ کہنا ہے کہ اس نے ہر چیز کو ایک ٹھیک اندازے سے پیدا کیا ہے۔یہاں تک کہ پھول، پھل اپنی مخصوص سائز سے آگے نہیں بڑھ سکتے اور پک کر گر جاتے ہیں۔وہ پیدا کرنے والا ہی نہ جانے گا کہ کس جینز کو کس حد تک جانا ہے پھر اس کا بڑھنا اس کی اپنی دنیا کے لیے نقصان دہ ہے۔یہ دراصل جو لوگ اس طرح کے اندازے لگا کر دنیا کو ڈراوے دیتے ہیں وہ دراصل خود خدا کی قدرت و کمالات پر شک اور بے یقینی کا اظہار کرتے ہیں۔ان کا گمان ہے کہ شاید خدا بے خبر ہے اور وہ باخبر!(نعوذ باللہ)۔

انسانی نسل جس افزائش سے بڑھتی ہے اس سے زیادہ تناسب سے گھٹ رہی ہے دنیا کی آبادی Growth rate مسلسل گھٹ رہا ہے((/1980:1.7/20061.1) اور اس کے علاوہ گزشتہ عشرے سے جنگوں کی صورتحال، قدرتی آفات کا پے در پے ہونا، حادثات، قحط سالی، ہوائی اور زمینی حوادث نے بیک وقت کروڑوں انسانوں کو ختم کر دیا ہے۔ایک اندازے کے مطابق افغانستان، عراق جنگ میں فروری ۲۰۰۷ تک ۷ لاکھ ۶۶ ہزار ۸۸۰ افراد مارے گئے ہیں(یہ تعداد زیادہ بھی ہوسکتی ہے)۔

ہ......سونامی میں اندازاً ۲۱ لاکھ ۸۳ ہزار، اکتوبر ۲۰۰۵ء کے صوبہ سرحد، کشمیر کے زلزلے میں آزاد کشمیر سے ۲،۲۷۶،۳ ۷ ہزار (اندازاً ایک لاکھ) اور مقبوضہ کشمیر کے ۱۳۶۰ افراد چند منٹوں میں لقمہ اجل بن گئے۔

ہ......اس کے علاوہ ٹرین، ہوائی حادثات دیگر انڈسٹریل حادثات میں ایک ہی وقت ہزاروں افراد اور کئی نسلیں ختم ہوجاتی ہیں۔

قدرتی اور غیر قدرتی آفات کی وجہ سے آبادی میں اچانک ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوجاتا ہے جسے

Scanned with CamScanner

پر کرنا ضروری ہوجاتا ہے جسے پر کرنا ضروری ہوجاتا ہے لہذا دنیا کی آبادی کا ایک گمان کرنا اور اس پر وسائل کی کمی کا واویلا مچا کر اپنے مقاصد حاصل کرنا صرف اور صرف فریب کاری ہے۔ ۱۹۵۰ء میں جب یہ شور مچا کر منصوبہ بندی کی تحریک دنیا بھر میں بزور پھیلائی گئی کہ ابھی دنیا کی آبادی ۳ہزار ملین ہے آئندہ ۳۰برسوں میں یہ دگنی ہوجائے گی اور دنیا میں جگہ کم ہوجائے گی، وسائل بھی اتنی آبادی کے لیے ناکافی ترین ثابت ہوں گے چنانچہ اس سلسلے میں پوری دنیا نسل کشی کی پلاننگ کرے۔ یہ ایک فرسودہ اور جھوٹا پروپیگنڈا ثابت ہوا کیونکہ ۱۹۵۰ء سے لے کر ۲۰۰۶ء تک ۵۶ سالوں میں دنیا کی آبادی ۶۵۲۵ ملین تک ہوسکی، جب کہ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۸۰ء (۳۰ سالوں) میں یہ ساڑھے چار ہزار ملین تک پہنچ سکی۔

۳۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کم بچے ہوں تو ان کی نشوونما، صحت، تعلیم و تربیت زیادہ بہتر انداز سے ہوگی اور نسل اچھی تعمیر ہوگی۔

باشعور اور تاریخ داں طبقہ اس پرکشش نعرے کے حقیقت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے، دنیا کے عظیم اور انقلابی لیڈر اس وقت پیدا ہوئے جب آبادی روکنے کا تصور گہرا، وسیع نہ تھا۔ ہم وہی بات کہیں گے کہ اسلام ہرگز منصوبہ بندی کے خلاف نہیں اپنے مخصوص حالات اور صحت کی بنا پر ایک خاندان کسی وقت اس پر عمل پیرا ہوسکتا ہے، مگر نسل کشی کی ایک اجتماعی پالیسی کی اسلام میں گنجائش نہیں۔

اگر دنیا کے عظیم رہنماؤں کے حالات زندگی پڑھے جائیں، تو ۹۰ فیصد ان میں سے انتہائی غربت اور مشکل سماجی حالات میں پل بڑھ کر جوان ہوئے اور اپنی محنت اور خداداد صلاحیتوں کی بنا پر دنیا کی رہنمائی کے اہل قرار پائے۔ لہذا یہ کہنا کہ اچھے معاشی حالات ہی اچھی نسل بناسکتے ہیں صرف اور صرف کم علم لوگوں کو فریب دینے کے سوا کچھ نہیں۔ اعلیٰ سوسائٹی کے بے لگام نوجوانوں کی حرکات کیا کچھ کم ثبوت ہے؟

عام مشاہدے میں بھی یہ آتا ہے کہ زیادہ تر کم بچے (ایک یا دو) اور خوشحال طبقے ہی کو ہسپتال کا رخ کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جدید ریسرچ سے بھی یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ زیادہ راحت، آسائش اور آرام دہ ماحول بھی بچوں کے لیے ضرررساں ہے اور ان کی صحت کے لیے بھی نقصان دہ ہے۔ جب کہ مشکل و مصائب بچوں میں جدوجہد کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ اسی لیے پہلے کے خوشحال لوگ اپنی اولاد سے بھی سختی سے نمٹتے اور انہیں مشکل کام کرنے کی ترغیب دیتے۔

جہاں تک تعلیم و تربیت کی بات ہے۔ پاکستان میں تعلیم تین طبقوں میں تقسیم ہے۔ یہ ہماری

حکومت کی شدید ناکامی ہے کہ وہ آج تک تعلیمی نظام پر نہ یکسو ہو سکی نہ ہی اسے یکساں کر سکی۔ اپنی نا اہلی کی وجہ سے وہ عوام پر زبردستی دباؤ ڈلواتی ہے کہ ہم تو تمہارے لیے معیاری تعلیم کا نظام نہ کر سکے، تم ہی اپنی اولاد کم کرو، یہ کہاں کی پالیسی ہے؟ اس کی دوسری نا اہلی، اپنے وسائل کو بروئے کار لانا سستی اور کاہلی کی وجہ پاکستان کی زمین کو اللہ نے جو نعمتیں عطا کی ہیں، انہیں پوری طرح استعمال کرنے کے بجائے، انہیں غیروں کے حوالے کر کے خود ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر امداد مانگنا۔ یہ ابتدا ہی سے ہماری حکومت کا طریقہ کار رہا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور اس کے بالکل متضاد صورتحال ہوتی تو آج پاکستان دنیا کے خوشحال ملکوں میں شامل ہوتا۔ اور پھر جو بچہ بھی اس سرزمین پر پیدا ہوتا اس کے پیدا ہوتے ہی، حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت کی طرح، اس کا وظیفہ جاری ہو جاتا جب تک کہ وہ جوان ہو کر اپنے پیروں پر نہ کھڑا ہو جاتا۔ آج بھی مغربی ملکوں میں یہ طریقہ رائج ہے۔ انگلینڈ میں پیدا ہونے والے ہر بچے کی کفیل حکومت خود ہے۔ ہر بچے کے لیے وظیفہ مقرر ہے اور جس قانون کے تحت یہ وظیفہ جاری کیا جاتا ہے اس کا نام ہے Omar,s Law (عمرؓ کا قانون)۔ کینیڈا میں بھی یہی اصول ہے بلکہ دودھ کے ڈبے بھی مہیا کیے جاتے ہیں۔ جن بوڑھوں کا کوئی کفیل نہیں حکومت کی طرف سے لوگ آ کر ان کا گھر Maintain کرتے ہیں اور انہیں کھانا بہم پہنچایا جاتا ہے۔ یہ ہے اسلامی طرز حکومت جس کے سرور سے ہم ناواقف، جس کے مزے سے ہم ناآشنا ہیں۔ جدید ریسرچ کے مطابق ڈاکٹرز بھی یہی مشورہ دیتے ہیں کہ وہ بچے ناکافی ہیں زیادہ ہونے چاہئیں۔ اس سے بچوں کی نفسیات اور حصے داری کی عادت بھی اچھی ہوتی ہے اور تربیت بھی۔

عمدہ معاشرت کا تصور مبہم ہے۔ جتنا بھی معیار زندگی بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی اور بڑھانا معیار بن جاتا ہے اور پھر اسی طرح اور آگے۔ لہٰذا اسے ہم ایک محدود دائرے تک نہیں رکھ سکتے کہ یہ عمدہ معاشرت ہے۔ ہر فرد اور ہر خاندان کے لیے عمدہ معاشرت کی سرحدیں مختلف ہیں آپ کہاں تک اسے Define کریں گے۔ لہٰذا اس کا بہلاوا دنیا صرف اور صرف سادہ لوح عوام کو دھوکا دینے کے مترادف ہے اور یہ بھی معاشرے میں دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جو زیادہ بچے کے متحمل ہو سکتے ہیں، انہی کے ہاں کم بچے ہیں اور جہاں غربت ہے وہاں بچوں کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ جہاں ذہن پیدا ہو سکتا ہے، وہاں کم ذہن پیدا کیے جاتے ہیں۔ اور جہاں ذہانت، صلاحیت کم ہے وہاں تعداد زیادہ بنتی ہے۔ لہٰذا اچھی معاشرت کو جواز بنانا، صرف مزدور طبقے کی کمی پیدا کرتی ہے۔ رہنما طبقہ، اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل حصہ

تو پہلے ہی زیادہ ذمہ داریوں سے فرار اختیار کر چکا ہے۔اصل بات یہی ہے کہ امریکا اور یورپ میں کبھی یہ تحریکیں معاشرت اور معاشی وجوہ کی بنا پر نہیں پھیلیں بلکہ صرف اور صرف اپنی ذاتی اغراض، نفسانی خواہشیں اور آرام و آسائش سے لطف اندوز ہونے کے لالچ اس کی وجوہات تھیں۔اب یہاں پر بھی وہی روش اپنانے کی سوچ کارفرما ہے۔چنانچہ معاشی وجوہ کا رونا، حقیقت کے بالکل برخلاف ہے۔

۴۔ایک وجہ ریپ کی لی جاتی ہے کہ ان کیسز میں اسقاط کروانا درست ہے کیونکہ کوئی لڑکی اس طرح کا بار برداشت نہیں کر سکتی۔بات بالکل درست ہے یقیناً کوئی بھی عورت پوری زندگی یہ ناقابل برداشت بوجھ نہیں سنبھال سکتی۔چند نکات اس سلسلے میں پڑھے جا سکتے ہیں۔

☆انسانی زندگی مقدم ہے۔اس دنیا پر انسانی حیات سب سے قیمتی شے ہے یہ سب کچھ صرف اور صرف انسانی روح کے لیے بنایا گیا ہے۔چاہے وہ جس طرح بھی وجود میں آئے۔اگر ریپ کی صورت ہو تو جہاں پر بچے نے پرورش پائی ہے وہ جگہ تو بالکل پاک اور بے قصور ہے۔اللہ کی نظروں سے عورت کی وہ نیکی چھپی نہیں وہ تو لوگوں کی پچھلی زندگی میں بھی کی گئی ایک ایک نیکی کی قدر کرتا ہے اور اس کا بدل دونوں دنیاؤں میں عطا کرتا ہے لہذا وہ کیسے بے خبر ہوگا؟۔سب کام ہمارے ہی نہیں ہوتے، اللہ پر توکل اور بھروسہ بڑی قیمتی متاع ہے۔اس کے لیے ذہنوں کی تربیت ضروری ہے۔متاثرہ عورت کی ذہنی کیفیت کو سمجھ کر، اسے اس تکلیف دہ صورتحال سے نکالنا اور امید کی طرف لے جانا خاندان اور معاشرے کے دیگر افراد کی ذمہ داری ہے۔

ہم کسی بچے کے لیے یہ کہہ نہیں سکتے کہ وہ بڑے ہو کر کیا بنے گا؟ کیسا انسان ثابت ہوگا؟ بہت نیک والدین کے بچے بڑے ہو کر معاشرے کے برے افراد بن جاتے ہیں۔اور نااہل والدین کے بچے معاشرے کے کارآمد افراد ثابت ہوتے ہیں۔یہ تو اللہ کی مرضی ہے کہ کافر والدین کے گھر انبیاء کرام پیدا ہوئے اور نبیوں کی اولاد اپنے والد کے راستے پر چلنے سے انکاری ہوئے۔والدین یقیناً اولاد کے لیے مشعل راہ ہیں ان کی پوری زندگی اپنے علم و عمل سے یہی کوشش ہونی چاہیے۔اور ان کے ہی کروموسومز اور جینٹک کوڈ بچوں میں منتقل ہوتے ہیں۔ریپ کرنے والے پر بعض ڈاکٹرز کا اعتراض یہی ہے کہ اس کے Genes بھی یقیناً شریف افراد سے مختلف ہوں گے اور وہی بچے میں منتقل ہوں گے لہذا ایسے بچوں کو دنیا میں آنا ہی نہیں چاہیے۔گو جینز کی بات درست ہے، لیکن جیسا کہ یہ بات آچکی ہے کہ ضروری نہیں کہ نیک والدین کے ہاں نیک اور برے کے ہاں برے کی پیدائش ہو یقیناً

Scanned with CamScanner

شریف خاندان کے Genes اپنا اثر ضرور رکھتے ہیں اور نامساعد حالات میں اپنی Gene کا ویسا ہی تاثر دیتے ہیں۔لیکن یہ ہم نہ بھولیں کہ ان تمام کروموسومز اور جینز کا مالک اللہ ہے۔یہ سب اسی کے حکم کے تابع ہیں وہ جیسا چاہے ان میں ردوبدل کرسکتا ہے۔کوئی Genetic Coding اس کی مرضی کے برخلاف Transcript نہیں ہوسکتی البتہ اس صورتحال میں عورت کی ذہنی اور جسمانی کیفیت سب سے بڑا اجتہاد کا ذریعہ ہے۔اگر وہ اس حالت میں گرفتار ہوجاتی ہے کہ اسے اپنی زندگی پوری کرنا دشوار ہوجائے اور اس کی ذہنی کیفیت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ ایسے حمل کے بوجھ کو برداشت کرسکے، تو اس صورت میں فتوی لیا جاسکتا ہے۔جیسا کہ بوسنیا کے جنگی حالات میں مصر کے علامہ یوسف القرضاوی نے مظلوم عورتوں کے لیے اسقاط کروانے کی اجازت دے دی تھی۔لیکن اس کی مدت اور عورت کی صحت اور ذہنی کیفیت کے بارے میں فقہائے کرام سے فتوی لینا ضروری ہے لیکن اس سلسلے میں اگر بہت زیادہ کشادگی دی گئی تو ایسے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو بالجبر کے زمرے میں نہیں آتے بلکہ اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل کے بعد اس کا بوجھ اٹھا پھینکنا چاہتے ہیں۔لہذا اس سلسلے میں کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت انتہائی احتیاط اور باریک بینی سے شواہد کا مطالعہ کرنے کے بعد کسی نتیجے پر پہنچا جائے۔

☆ ریپ کے نتیجے میں قرار پانے والے حمل کے اسقاط کا یہ جواز پیش کیا جاتا ہے کہ چونکہ یہ حمل مرد کے نفسانی خواہش کے نتیجے میں ٹھہرتا ہے اس خواہش کا گہرا اثر پیدا ہونے والے بچے پر لازما پڑے گا لہذا اسقاط ضروری ہے۔اس ضمن میں یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ابھی تک اعداد و شمار اور ہمہ گیر سروے اور فالواپ کے ذریعے یہ نہیں معلوم کیا جاسکا ہے کہ ایسے بچوں کی تعداد کتنی ہے جو بڑے ہوکر مجرمانہ ذہنیت کے حامل بنے ہیں اور یہ کہ معاشرے پر اس کے کیا اثرات پڑے ہیں؟ تاہم اس کے باوجود ان بچوں کو مجرم باور کرایا جاتا ہے تو اس سوال کا جواب بھی دیا جانا چاہیے کہ تنہا رہنے والے ماں یا باپ کے بچے مجرمانہ ذہنیت کے حامل کیونکر نہیں ہوسکتے؟۔ یا بدکردار ماں اور باپ کے بچوں کو زندہ رہنے کا کتنا حق ہے۔

کسی بھی صورت میں ماں کی صحت اور زندگی ہر حال میں فوقیت رکھتی ہے اس لیے اسلامی شریعت اسے برقرار اور آئندہ کے لیے مستعد اور صحت مند رکھنا چاہتی ہے لیکن اس کے لیے سچائی اور ٹھوس ثبوت کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جائے گا کیونکہ معاملہ ایک زندگی، ایک روح کا ہے۔

★ تا تریاق از عراق بیاورند...... مارگزیدہ مردہ باشد☆

جہاں تک ریپ کے نتیجے میں بچے کی ذہنی سوچ اور کردار پر باپ کے اثرات کا تعلق ہے تو embryologist یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ genes یقیناً کردار و خصوصیات لئے ہوئے ہوتی ہے لیکن مخصوص ماحول، حالات اور تربیت ان میں تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں۔ ہزاروں، لاکھوں مسلمان بچے والدین کے مذہب کی اور خاندان کی تحقیق کئے بغیر عیسائی افراد لے پالک بنا لیتے ہیں اور اسے تربیت کر کے پکا عیسائی بنا دیتے ہیں کہ انہیں یہ یاد بھی نہیں رہتا کہ ان کے آباؤ اجداد مسلمان تھے۔ بوسنیا کے ہزاروں بچے جو پیدائشی مسلمان تھے، عیسائی دنیا میں اپنا لئے گئے۔ انڈونیشیا سے لوگ بچے لے جاتے ہیں اور وہاں جا کر چرچ کے حوالے کر دیتے ہیں۔ عیسائی مسلمان ہو جاتے ہیں، مسلمان مرتد ہو جاتے ہیں۔ کیا مرتد ہونے والے میں والدین سے ارتداد gene منتقل ہوئی یا اس کے والدین عیسائیت کی طرف راغب تھے۔ اسی طرح قاتل کیا اپنے والدین کے قتل کی genetic coding (جنیٹک کوڈنگ) لے کر آتا ہے۔

یہ تو ایک مخصوص حالات اور محبت و ماحول رہا، جس نے اس کے ذہن کو اس کی سوچ اور عادت و اطوار کو بدل دیا۔ کسی کے بھی ذہن کے برا یا اچھا بننے میں صرف gene ہی نہیں ہوتی بلکہ یہ اس کا ایک حصہ ہے۔ ماحول، پرورش، تربیت، حالات سب ایک شخصیت کی تعمیر کے ستون ہیں۔ اس سلسلے میں کچھ تاریخی حقائق پر نظر دوڑاتے ہیں۔ اسپین کی عیسائیوں کے ہاتھوں فتح کے بعد، عیسائی حکمرانوں نے وہاں سے مسلمانوں کو چن چن کر یا تو نکال دیا، یا مار دیا، یا عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ مسلمان گھرانے عیسائیت کے رنگ میں تو رنگ گئے لیکن اپنے مسلمان ہونے کو انہوں نے نسل در نسل منتقل کیا اور آج ان بچوں کی تربیت ایسی ہوئی کہ وہ بڑے ہو کر اسلام پر کھڑے ہوئے اور دیگر ممالک، ترکی وغیرہ میں جا کر آباد ہوئے اور ان کے ذریعے کئی جگہوں پر اسلام پھیلا۔ سیکڑوں سال کے بعد بھی ان کی اولادیں یہ جانتی ہیں کہ ان کے آباؤ اجداد مسلمان تھے اور آج وہ اسلام پر قائم ہیں۔ اگرچہ عیسائیت کا عنصر ان کے خون میں کسی حد تک شامل رہا۔

امام شامل ۱۸۳۴ء سے ۱۸۵۹ء تک اہل قفقاز کے امام رہے۔ ان کی پوری زندگی زار روس سے لڑائی میں گذری۔ ایک محاصرے میں انہیں اپنے بڑے بیٹے جمال الدین جو اس وقت ۱۲ سال کا تھا، زار روس کے حوالے کرنا پڑا پھر وہ انہیں اس وقت ملا جب امام شامل کی فوج نے چند روسی شہزادیوں کو یرغمال بنا لیا اور اس کے بدلے میں انہیں جمال الدین جو اس وقت ۲۵ برس کا ہو چکا تھا

Scanned with CamScanner

واپس ملا۔ جمال الدین ایک عظیم مجاہد کا بیٹا' واپس تو آ گیا لیکن اس کا ذہن اس کی سوچ' اس کا رہن سہن' اس کی پسند یا پسند بالکل زار روس کے سانچے میں ڈھل چکی تھی وہ واپس آیا تو اس جہادی ماحول میں باپ کی بہت کوششوں کے باوجود ایڈ جسٹ نہ ہوسکا اور چند مہینوں میں انتقال کر گیا۔ ذہن بدلنے کی اس سے بڑی مثال اور کونسی ہوگی۔

یوں ہمارے ملک میں کتنے رہنماؤں اور مجاہدین کی اولادوں کو شکست کھانے کے بعد انگریز لے گئے اور ان بچوں کی ایسی ذہنی تربیت کی کہ وہ آج بھی غیر ملکی ذہن سے سوچتے اور انہی کی دی ہوئی پالیسیوں پر عمل پیرا ہیں۔

۵۔ بین الاقوامی اعداد و شمار سے یہ بات بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگر اسقاط کو قانونی آزادی دے دی جائے تو پیچیدگیوں پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

اس سلسلے میں افسوس ناک صورتحال وہی ہے کہ ہمارے ملک اور دیگر اسلامی ممالک میں' وہیں کے مقامی ماہرین کے زیر نگرانی ایماندارانہ جمع کیا گیا ڈیٹا میسر نہیں' لہذا ہم ایسی کوئی دلیل یا اس کے برخلاف حقیقی دعوی پیش کرنے سے قاصر ہیں' لیکن جو بھی اعداد و شمار میسر ہیں' ان کا بھی اگر بغور مطالعہ کیا جائے' تو اس سے بھی یہی معلوم ہوا' جیسا کہ پیش لفظ میں تحریر ہے کہ اسقاط سے عورتوں کی اموات کی شرح' دیگر تولیدی طریقوں سے اموات کی شرح سے زیادہ ہے اور اس میں یورپ کی شرح فیصد ۲۰ جبکہ ایشیا کی ۱۳ ہے۔ تمام ترصحت کی سہولتوں اور قانونی آزادیوں کے باوجود آج بھی وہاں غیر محفوظ اسقاط حمل سے ۲۷/ کیسز انفیکشن (Sepsis) میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ دنیا کے ایسے بہت سے ممالک ہیں جہاں قانونی پابندیاں سخت نہیں ہیں' لیکن پیچیدگیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے (جیسا کہ کتاب میں بیان کیئے گئے ہیں)۔ عرب ممالک میں قوانین سخت ہیں لیکن اسقاط کی تعداد نہ ہونے کے برابر' اور دیگر اموات کی شرح کے مقابلے میں' زچگی کی پیچیدگیاں' سب ممالک سے' انتہائی کم سطح پر ہیں۔ لہذا یہ بات کسی طرح سے صد فیصد جواز نہیں بنتی کہ قانون آزاد کردینے سے مضر اثرات ختم کیئے جاسکتے ہیں۔ کتاب بھی شامل قابل ڈاکٹرز کی رائے بھی اسی دعوے کی تصدیق کرتی ہے۔

چنانچہ قانون کا سخت ہونا اور ممکنہ مواقعوں کا حصول نہ ہونا' اسقاط اور دیگر پیچیدگیوں کی قطعی روک تھام کرتا ہے۔ عرب ممالک کا ڈیٹا اس امر کو ثابت کرتا ہے۔ لہذا دیگر عوامل کے مقابلے میں اپنے زمینی حقائق کی روشنی اور اپنے مذہبی اور معاشرتی اقدار کے دائرے میں اس کا حل تلاش کیا جائے اور ان

اقدامات کے لئے بھرپور توجہ دیجائے۔کسی دانا کا قول ہے کہ بیماری سے بچنے کے لئے‘اس کے علاج سے پہلے‘اس کے پیدا ہونے کی وجہ کا سدباب کیا جائے۔

23۔ہماری سفارشات

اس تحقیقی رپورٹ کی روشنی میں اور تمام حقائق‘نقائص اور معلومات کو نظر میں رکھتے ہوئے ویمن کمیشن جماعت اسلامی‘پاکستان اسقاط حمل کی موجودہ صورتحال پر درج ذیل سفارشات پیش کرتا ہے۔

......۱۔پاکستان میں نافذ العمل اسقاط حمل کے قانون کی پہلی شق میں لفظ ’’انتہائی ضروری علاج‘‘ کی صحیح طور پر اور مکمل وضاحت ضروری ہے کہ ماہرین کے مطابق انتہائی ضروری علاج میں کون کون سے امراض اور حالات شامل ہیں۔

......۲۔انتہائی شدید اضطراری کیفیات مثلاً ریپ کی صورت میں یا بچے کو لاحق ایسی بیماری جو پیدائش کے بعد باقی زندہ افراد کے لیے خطرہ بن جاتی ہے اس کی بھی وضاحت قانون میں ضروری ہے۔

......۳۔ریپ کی صورت میں حمل ٹھہرنے اور بچے کی پیدائش یا اس کی کفالت کے سلسلے میں حکومت ایک مربوط پالیسی مرتب کرے۔ایسے بچوں کی کفالت کا نظام بنائے اور لوگوں کو اس کی ترغیب دی جائے۔جیسا کہ اسلام اور تمام مذاہب میں موجود ہیں۔

......۴۔پاکستان میں اپنے ایسے تحقیقی ادارے قائم کیے جائیں جو اپنے ملک میں ہونے والے اسقاط کے واقعات‘وجوہات اور پیچیدگیوں پر تفصیلی سروے اکٹھا کریں اور پھر اس کی روشنی میں مسائل کا سدباب ایمانداری سے کیا جائے۔اس میں فلاحی اداروں‘شہری اور دیہی کلینک‘سینئر شہریوں کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

......۵۔پاکستان کے مختلف چھوٹے بڑے علاقوں میں قائم نجی و سرکاری کلینکس کھلے عام معاشی وجہ اور عورتوں کے اپنے مطالبے پر ابتدائی اور درمیانی عرصے میں اسقاط کر رہے ہیں جب کہ ہمارا قانون صرف دو وجوہات کی بنا پر اسقاط کی اجازت دیتا ہے‘ایک تو ماں کی زندگی بچانے اور ایک انتہائی ضروری علاج کے طور پر۔ویمن کمیشن کی سفارش ہے کہ ایسے لوگوں کو قرار واقعی سزا قانون کے مطابق دی جائے۔

......۶۔جن عورتوں کا اسقاط سخت محنت ومشقت اور ذہنی پریشانیوں کی وجہ سے ہوجاتا ہے ان کے لیے فلاحی اور مشاورتی سینٹر قائم کیے جائیں۔جو اپنے ذرائع سے ان کی پریشانیوں کا حل کریں اور ان کا بوجھ ہلکا کریں۔

ان اخاک من واساک ☆ دوست آن باشد کہ گیرد دست دوست در پریشان حالی و درماندگی

Scanned with CamScanner

......۷۔جن افراد کے زیرعلاج غیرمحفوظ اسقاط اور پھراس کی وجہ سے اموات اورخطرناک پیچیدگیوں کی شرح بڑھ رہی ہے۔ان کے طریقہ کار،حالات اورمہارت کاایماندارانہ باریکی سے مشاہدہ کیاجائے اوراگران کی ذاتی وجوہ پرعورت زندگی بھرکاروگ بننے کاذریعہ ہیں توان کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے۔اوران سے متاثرہ عورت کے لئے Componsation دلائی جائے۔

......۸۔ہسپتالوں کی ناقص صورتحال بیماری کے لیے اسقاط کروانے والیوں میں انفیکشن کاسبب بن رہی ہیں،جس کی وجہ سے موذی اورلاعلاج پیچیدگیوں کی شرح میں روز بروزاضافہ ہورہاہے۔امر کے لیے مستنداورمکمل اعدادوشمار کاہونابہت ضروری ہے تاکہ اصل وجوہات سامنے لائی جائیں اورپھراس کاحل تلاش کیاجائے۔

......۹۔کفالت کی بنیادی ذمہ داری حکومت کی ہے وہ اپنے فرائض کوپوراکرنے کی کماحقہ کوشش کرے یامعاشرے میں کفیل افرادمنتخب کریں جواپنے تیئں مختلف گھروں کی کفالت کریں تاکہ لوگوں میں اپنی اولادکوپیداکرنے اورزندہ رکھنے کی امید بڑھے۔

......۱۰۔معاشرے میں موجودایسے عوامل کاخاتمہ ضروری ہے جولوگوں میں ناجائزتعلقات رکھنے کاسبب بنتے ہیں،جن کے نتیجے میں اسقاط کرواناپڑتاہے۔اس سلسلے میں ذرائع ابلاغ سے بھرپورکام لیاجائے،تاکہ ایک انسانی جان کوضائع ہونے اوربچانے کی کوشش ہو۔

......۱۱۔ملک میں موجودایسی کالی بھیڑوں کاخاتمہ بھی ضروری ہے جوغیرملکی اشاروں پرلوگوں میں اسقاط کی ترغیب اورآسانیاں بہم پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔اہل علم افرادپربھی ایسے لالچی افرادکی نشاندہی اوران کی عبرت انگیزتشہیرلازمی ہے۔

...... ۱۲۔اسلامی تعلیم کی روشنی میں اسقاط کے قانون کے سختی سے نفاذکے لیے پرخلوص عملی کوششیں کی جائیں۔اس کے لیے،خواتین پولیس اورخواتین تفتیشی عملہ مختص کیاجائے۔

...... ۱۳۔جولوگ عورتوں کازبردستی اسقاط کروادیتے ہیں ان کوبھی اس جرم کی قابل عبرت سزادی جائے۔

...... ۱۴۔اپنے ملک کے لیے پالیسی وضع کرتے وقت اپنے حالات،مذہب،معاشرتی سیٹ اپ اورسماجی قدروں کومدنظررکھاجائے،ہزاروں میل دورکے زمینی حالات وواقعات اورمعاشرتی سیٹ اپ کاقانون یہاں لاگوکرنے کے خطرناک معاشرتی نتائج نکلیں گے۔

انک لاتجتنیی من الشوک العنب ★ ھرگز ازشاخ بید برنخوری خرما نتوان خوردازاین خارکہ کشتیم

......۱۵۔ ہیلتھ کلینک میں یہ تعلیم بھی دی جائے کہ جس سے عورتوں کو یہ معلومات ملیں کہ غیر ضروری اسقاط کروانا خود ان کے اپنے جسمانی نظام کے لیے مہلک ہے۔ اور عورت کی صحت و تندرستی معاشرے کی صحت کے لیے سب سے ضروری ہے۔ اس کے لیے درست اور صحیح سائنٹفک معلومات دینا بہت ضروری ہے، تاکہ ایک بہتر فیصلے پر پہنچنے میں مدد ملے۔

یہ حقیقت ہے کہ معاشرے کا کوئی بھی فلاحی کام حکومت تنہا نہیں کر سکتی، جب تک اس میں عوام کی حمایت اور تعاون شامل نہ ہو۔ اس لیے ضروری ہے کہ عوام کی فلاح و بہبود کے لیے جو بھی قدم اٹھایا جائے اس کے لیے پہلے نمائندہ افراد کی مشاورت اور حمایت حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ درج بالا سفارشات کے لیے بھی علمائے کرام، مستند و ماہر معالج حضرات، اسکالرز، فقہیہ حضرات، قانون دان اور مخیر اور کار خیر میں دل چسپی رکھنے والے اور فلاحی اداروں کے منتظمین کو اکٹھا کر کے ایک باہمی ہم آہنگی کی فضا میں مشترکہ لائحہ عمل طے کر کے ذمہ داریاں سونپی جائیں اور پھر ان کی آپس میں تعاون کی فضا قائم رکھی جائے۔

ویمن کمیشن کا بنیادی مقصد عورتوں کے ہر مسئلے کا حل اسلامی حدود میں رہ کر تلاش کرنا اور ان کی صحیح سمت کی طرف، اپنے مذہبی اور معاشرتی اقدار کی روشنی میں، رہنمائی کرنا ہے۔

اس وقت پاکستان میں بہت بڑا مسئلہ ایسے ہی ایماندار اور ماہر افراد کی زیر نگرانی اعداد و شمار اکٹھا کرنا ہے تاکہ ہم دوسروں کی زیر نگرانی کیے گئے غلط ڈیٹا پر بھروسہ کر کے کوئی لائحہ عمل تیار نہ کریں بلکہ اپنے درست اعداد و شمار کی روشنی میں پالیسی مرتب کریں۔

☆☆☆

۱......(اسلام اور ضبط ولادت، از مولانا سید ابوالاعلی مودودی۔ تحریک ضبط ولادت کا عملی جائزہ از، پروفیسر خورشید احمد)۔

میانوی خاندانِ مفتیاں

کی علمی وادبی اور دینی وملی خدمات کا تحقیقی جائزہ

مولانا غلام رسول انیس

زیر نظر مقالہ مولانا غلام رسول انیس نے لکھا تھا انہیں شوق تھا کہ وہ اپنے علاقہ کے ان معروف علماء ومفتیان کرام کے علمی کارناموں کو منظر عام پر لائیں جن کی خدمات علمیہ سے اہل علاقہ تو واقف ہیں مگر ملکی سطح پر مرورزمانہ کے ساتھ ساتھ ان کا تعارف ماند پڑتا جارہا ہے اور ان کی علمی کاوشوں کی اشاعت بھی مکمل طور پر نہیں ہوسکی، راقم کو ان کی رائے پسند آئی اور انہیں اسے اپنے ایم فل رپی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ کا عنوان بنانے کا مشورہ دیا۔ الحمد للہ دو برس کی محنت سے مقالہ مکمل ہوا اور اس پر انہیں ایم فل کی ڈگری بھی مل گئی، اب وہ پی ایچ ڈی کے لئے مواد کی تیاری کے مراحل میں تھے کہ اللہ کی رحمت کا بلاوا آ گیا، وہ ایم فل کا مقالہ شائع نہ کرواسکے، اور نہ پی ایچ ڈی کا مرحلہ شروع ہوسکا، وہ حافظ قرآن تھے، ابھرتے ہوئے محقق عالم تھے، عساکر کے امام تھے، خطیب تھے، مطالعہ انکا مشغلہ تھا، وہ علمی مباحث میں دوستوں سے الجھتے بھی تھے اور الجھے ہوئے مسائل سلجھاتے بھی تھے۔ اللہ تعالی نے انہیں بڑی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ ہم ان کا غیر مطبوعہ مقالہ قسط وار شائع کرنے کے بعد طبع کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں سو پہلی اور دوسری قسط کے بعد اب تیسری قسط پیش خدمتِ قارئین ہے۔

حضرت علامہ حافظ مفتی غلام محی الدینؒ قادری نقشبندی میانوی

آپ کا عہد:

حضرت مفتی صاحب کا دور مسلمانان ہند کے انحطاط، سیاسی اعتبار سے انتشار اور اقتصادی لحاظ سے انتہائی کسمپرسی کا زمانہ تھا۔ دولت مغلیہ آخری سانس لے رہی تھی۔ ۱۸۰۶ء تک شاہ عالم، ۱۸۳۷ء تک اکبر شاہ ثانی اور ۱۸۵۷ء تک آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر تخت دہلی پر متمکن

رہے۔ مگر درحقیقت ان سب کی حیثیت شاہ شطرنج سے زیادہ نہ تھی۔ اور برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے اقتدار کو وسعت وقوت دے رہی تھی۔ سوائے پنجاب کے پورے ملک پر انگریز کی عملداری تھی وسطی اور شمالی ہند میں ہندو جاٹوں نے اور دکن میں مرہٹوں نے تباہی مچا رکھی تھی۔ احمد شاہ ابدالی نے ان کی طاقت کو کچل کر رکھ دیا۔ بعد میں اس کا پوتا شاہ زمان جاتے ہوئے تخت لاہور راجہ رنجیت سنگھ کے حوالے کر گیا۔ مفتی صاحب نے جب شعور کی آنکھ کھولی اس وقت پورا مغربی پنجاب سکھوں کے زیر نگیں تھا۔ رنجیت سنگھ کی وفات (۱۸۳۹ء) کے بعد شورش کا آغاز ہوا۔ یہ مسلمانوں کی ابتلاء کا بدترین دور تھا۔ بالخصوص مسلمانوں پر مظالم، مساجد کا انہدام اور مسلم ثقافت ومعیشت کی بربادی اسی دور کے واقعات ہیں۔ حالات کی نزاکت کا بخوبی ادراک اس سے کیا جاسکتا ہے کہ پنجاب کی سب سے بڑی اور تاریخی بادشاہی مسجد لاہور سکھ فوج کی چھاونی اور گھوڑوں کا اصطبل ہوا کرتی تھی۔ صرف سکھوں پر ہی کیا موقوف ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء کے دن جب سکھوں کو مکمل شکست دے کر انگریز پنجاب پر قابض ہوئے تو ان کا ریماؤنٹ ڈپو بن گئی۔ ۱۱ جون ۱۸۵۶ء کو پہلی بار اسے واگذار کر کے مسلمانوں کے حوالے کیا گیا اور حضرت مولانا احمد الدین بگوی خطیب مقرر ہوئے۔

مسلمانوں نے مغربی استعمار سے جنگ آزادی شروع کی مگر ناکام رہے۔ بے شمار علماء شہید ہوئے اور کئی اپنا ایمان وتہذیب بچانے کے لیے ہجرت کر گئے۔ انگریزوں نے پیش قدمی جاری رکھی اور اس طرح محمد بن قاسم (۷۱۲ء) سے شروع ہو کر ہندوستان میں صدیوں تک قائم رہنے والا مسلم اقتدار بالآخر ۱۸۵۷ء میں مکمل طور پر ختم ہو گیا۔

جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمانوں پر مظالم کے نئے دور کا آغاز ہوا، مسلم قوم اور اس کی تہذیب وتمدن بطور خاص انگریزوں کے انتقام کا نشانہ بنی۔ ایسے پر آشوب دور میں اعلائے کلمۃ اللہ اور اشاعت اسلام کا فریضہ انجام دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اسی صدی میں محمد بن عبدالوہاب نجدی (۱۱۱۵ھ تا ۱۲۰۶ھ، ۱۷۰۳ء تا ۱۷۹۲ء) نے عرب میں بظاہر بدعات کے خلاف اصلاحی تحریک اٹھائی مگر اپنے نظریات کی انتہاء پسندی، طریقت کی اندھی مخالفت اور تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شرک قرار دے کر مسلم امہ میں افتراق وانتشار کا ہیجان برپا کر دیا۔ لیکن مسلمانوں کو اس کے مضر اثرات اور گمراہی سے بچانے کے لیے علماء حق اٹھ کھڑے ہوئے۔

حق و باطل کی کشمکش ازل سے جاری ہے۔ ایک طرف اسلامیان ہند کا تنزل و

ادبار عروج پر تھا، علوم اسلامیہ پر کاری ضرب لگائی جا رہی تھی تو دوسری طرف احیائے نو کے لیے علماء اور مدارس اسلامیہ، صوفیا اور مسلم سیاسی راہنماء اپنے اپنے انداز میں مصروف کار تھے۔ دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور، دارالعلوم منظر الاسلام (بانس بریلی) دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء، گولڑہ، تونسہ، سیال شریف، علی گڑھ اور دیگر مراکز اسلامیہ کے علاوہ علامہ اقبال اور بعد میں مسلم لیگ سب نے اپنے اپنے انداز میں اہم کردار ادا کیا۔

مسلمانان ہند کا ماضی واپس دلانے کے لیے تحریک علی گڑھ نے بے مثال کردار ادا کیا۔ سر سید احمد خان اور ان کا خاندان حضرت شاہ غلام علی دہلوی مجددی کا فیض یافتہ تھا۔ بلاشبہ سر سید کے بعض مذہبی نظریات و تاویلات متنازعہ فیہ بنے اور صوفیاء و علماء وقت نے ان ''نیچری'' نظریات کو سختی سے رد کیا حضرت مفتی صاحب بھی ان میں شامل تھے۔ تاہم مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے سر سید کی جدوجہد اور نیک نیتی و بے نفسی کا اعتراف نہ کرنا بھی ناانصافی اور حقائق سے چشم پوشی ہے۔ ان کی تحریک علی گڑھ کے دوررس اثرات بالآخر قیام پاکستان کی صورت میں ظاہر ہوئے۔

سیال شریف، تونسہ شریف، گولڑہ شریف، مانکی، للہ، قصور وغیرہ کے روحانی مراکز، دارالعلوم نعمانیہ لاہور دارالعلوم نعیمیہ مراد آباد، علامہ فضل حق خیر آبادی اور بانس بریلی سے علامہ احمد رضا خان اور ان کے متبعین نے ترویج علوم اسلامیہ کے ساتھ ایک طرف رد بدعات اور نجدی نظریات کی سختی سے تردید کے ساتھ محبت و تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اساس ایمان قرار دیا تو دوسری طرف جنگ آزادی سے لے کر قیام پاکستان تک مسلمانوں کی اجتماعی سیاسی جدوجہد کو پوری طاقت اور لگن سے پایہ تکمیل تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ مفتی غلام محی الدین قادری نقشبندی میانوی کا شمار اسی قبیلہ میں ہوتا ہے۔

ولادت:

مفتی حافظ غلام محی الدین قادری بن مفتی حافظ شیخ عبداللہ میانوی، ذی القعد ۱۲۲۱ھ میں قصبہ نمک میانی ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آپ دو بہنوں اور چار بھائیوں میں دوسرے نمبر پر تھے۔ (۱)

تعلیم و تربیت:

آپ نے بچپن میں ہی قرآن پاک حفظ کر لیا۔ آپ کے مرشد طریقت بھی اپنے مکتوبات میں آپ کو حافظ لکھتے ہیں۔ (۲)

حفظ قرآن کے بعد اپنے والد ماجد سے علوم دینیہ کا آغاز کیا۔ وہ تبحر عالم اور صاحب بصیرت بزرگ تھے انھوں نے خدا داد صلاحیتیں بھانپ کر آپ کی تعلیم پر خصوصی توجہ مبذول فرمائی اور اس نہج پر تربیت کی کہ آگے چل کر بیٹا وراثت انبیاء ہونے کا اہل ثابت ہو۔ چناں چہ آپ نے ظاہری و باطنی علوم اس ہونہار بیٹے کو منتقل کر دیے۔

اساتذہ:

اپنے والد گرامی کے علاوہ آپ نے دیگر علماء سے بھی علم حاصل کیا۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ علماء میانی میں پڑھاتے رہے یا کسی اور جگہ جا کر آپ نے ان سے استفادہ کیا۔

تاہم اب تک جو کھوج لگایا جا سکا اس کے مطابق والد ماجد سمیت آپ کے اساتذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں

۱۔ مولانا مفتی حافظ شیخ عبداللہ میانوی ۲۔ مولانا محمد زمان خوشابی (۳)

۳۔ مولانا میاں غلام نبی جوہری (۴)

ممکن ہے کسی اور عالم سے بھی پڑھا ہو مگر دستیاب ریکارڈ سے صرف یہی نام سامنے آئے۔

علمی مقام:

مفتی صاحب نے بچپن ہی سے خود کو علوم دینیہ کے لیے وقف کر دیا۔ اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت نہ صرف نوجوانی ہی میں علوم متداولہ کی تکمیل کر لی بلکہ ان میں عبور حاصل کرلیا۔ اس کی تائید آپ کی نقل کردہ کتابوں سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً اصول فقہ کی ایک کتاب ''ابراہیم شاہی، فارسی'' نقل کرنے کر بعد تاریخ تکمیل ۱۹ شعبان ۱۲۴۳ھ لکھی جبکہ اس وقت آپ کی عمر بائیس سال تھی۔ اسی طرح ایک اور کتاب ''حل الابیات التی جات فی المطول'' عربی، پچیس سال کی عمر میں نقل کردی۔ تحصیل علم کے ساتھ تو بہت مشکل ہے البتہ فراغت کے بعد ہی اتنا وقت دیا جا سکتا ہے۔

بہرکیف آگے چل کر تبحر علمی کے اعتبار سے آپ نے بڑی شہرت پائی اور زمانہ معترف ہوا۔ مشکل ترین مسائل نہایت آسانی و جامعیت سے حل کرنے میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ کے مرشد طریقت حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری آپ کو ان الفاظ سے مخاطب فرماتے ہیں

''معدن علم وعرفان حضرت مفتی صاحب'' (۵)

اور حضرت صاحبزادہ عبدالرسول قصوری لکھتے ہیں

''ملجانا وماوانا عالم ربانی'' (۶)

حضرت صاحبزادہ سید شبیر احمد شاہ بخاری قصوری لکھتے ہیں

''حضرت خواجہ غلام محی الدینؒ قصوری کے بڑے خلفاء میں سے تھے، اپنے ہم عصروں میں فقہ کے جید عالم تھے'' (۷)

ملک محمد دین ایڈیٹر رسالہ صوفی، لکھتے ہیں

''مفتی غلام محی الدین صاحب جو اپنے علمی تبحر کے اعتبار سے گردونواح کیا، دور دور تک اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ اہم سے اہم مسائل فقہ کو پانی کی طرح حل کر کے دکھا دیتے تھے'' (۸)

حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادریؒ پیر سید غلام حیدرؒ شاہ جلال پوری کے تذکرہ میں رقم طراز ہیں

''اپنے علاقے کے مشہور عالم مفتی غلام محی الدین سے استفادہ کیا'' (۹)

مرید احمد چشتی لکھتے ہیں ''اُس دور میں حضرت مفتی غلام محی الدین نقشبندی میانویؒ سرآمد روزگار تھے'' (۱۰)

حضرت جلال پوری ہی کے تذکرہ میں اختر راہی لکھتے ہیں

''اپنے دور کے بلند پایہ عالم مفتی غلام محی الدین سے استفا کیا اور کنز الدقائق کا درس لیا'' (۱۱)

اور ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی نے بھی اسی طرح لکھا ہے (۱۲)، ان عبارات سے آپ کے علمی تبحر و مقام اور شہرت دوام کا بخوبی ادراک کیا جا سکتا ہے۔ حضرت جلال پوری سے عرس اور زیارت قبور سے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''چاروں سلسلوں اور طریقوں کے خلفاء بابا صاحب (حضرت بابا فریدؒ الدین گنج شکر۔ مرتب) کے دریا میں ڈوبے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ مولوی محی الدین صاحب مولوی محی الدین صاحب قصوری نقشبندی اور مفتی صاحب میانی والا ہمیشہ پاک پتن شریف میں حاضر ہوتے ہیں'' (۱۳)

اس سے جہاں مرشد طریقت کے ساتھ آپ کی رفاقت اور حصول فیض کے لئے بزرگوں کے پاس حاضری کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ علمی و روحانی حلقوں میں، علمی و شرعی مسائل میں مفتی صاحب کو بطور سند پیش کیا جاتا تھا۔

☆ بالملح يصلح مايخشى تغيره فكيف بالملح ان حلت به الغير

درس وتدریس: آپ کا گھرانہ گذشتہ دو صدیوں سے منبع علم کے طور پر مشہور تھا۔ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد آپ مسند ارشاد و تدریس پر جلوہ افروز ہوئے تو آپ کی علمی و فقہی مہارت، استفتاء میں فراست وشہرت اور طلباء سے شفقت کی خوشبو چارسو پھیلنے لگی۔ آپ اور آپ کے صاحبزادہ مفتی غلام احمد میانوی کے تحریری شواہد سے مترشح ہے کہ دور دور سے جویانِ علم میانی کا رُخ کرنے لگے۔

مگھو وال، گوندل، کلیان پور، بھابڑہ، پنن وال، بیربل، چکوڑی، چوٹ، ابدال، میرہ، جسپال، ماجھی، کوٹ ہیراں، جھاوریاں، بھڑوچ، بھکھی، پنڈی گھیب، بھیکے وال، سیالکوٹ، بھکر، قصور، لاہور، جھنگ اور کشمیر سے بھی آ کر تشنگانِ علم اس چشمۂ علم وحکمت سے سیراب ہوتے رہے۔

پسماندہ علاقہ ہونے کے باوجود آپ کے پاس تیس چالیس طالبان علم ظاہری و باطنی کا مجمع رہتا تھا۔ آپ ان کی کتابوں، رہائش، خوراک، پوشاک اور علاج وغیرہ کے تمام اخراجات کی کفالت کیا کرتے تھے۔ ابتدائی کتابوں سے لیکر معقولات ومنقولات کی منتہی کتب تک سب پڑھاتے۔ مطالعہ کے باقاعدہ اوقات مقرر کئے ہوئے تھے تسلیک کی وجہ سے تدریس میں کبھی فرق نہیں آنے دیا۔ سید شبیر احمد شاہ بخاری لکھتے ہیں

"درس وتدریس کا شغل جاری تھا۔۔۔مطالعہ اور مراقبہ کا وقت مقرر کر رکھا تھا" (۱۴)

آپ نے طلباء کی استعداد اور شوق کے مطابق علم ظاہری و باطنی دونوں کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا۔ آپ کے مرشد طریقت کی ہدایت اور دعائیں بھی یہی ثابت کرتی ہیں۔ فرماتے ہیں

"آنچہ از استقامت خود بر تدریس وتسلیک ترقیم نمودہ اند۔

فرحت بر فرحت افزودہ اند۔ امداد دعا دارند کہ ازیں ست بے دل ہم غفلت مضمحل گردد بحرمت النبی وآلہ الامجادؐ" (۱۵)

"یہ جو آپ نے درس وتدریس اور مقام سلوک پر استقامت کا ذکر فرمایا ہے اس سے خوشی دوچند ہو گئی۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی اولاد امجاد کے صدقے اس استقامت کو سستی، بے دلی اور غفلت سے ہمیشہ محفوظ فرمائے"

مفتی صاحب کے نام اپنے ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:

"لازم ہے کہ توجہ اور مراقبہ میں تساہل نہ کریں اور علم ظاہری کی تدریس میں بھی تغافل نہ فرمائیں۔

کیوں کہ تحصیل وتدریس علم ظاہری بھی ضروری ہے کہ یہ حصول نور میں معاون ومددگار ہے'' (۱۶)

تلامذہ اور تاثیر علم:

آپ نے چھیاسی سالہ زندگی کے چونسٹھ برس علوم ظاہری و باطنی کی اشاعت وتحفظ میں صرف کئے۔ ظاہر ہے اتنے طویل عرصہ میں سینکڑوں تاریک دل حسب استعداد نور حکمت سے منور ہوئے جنہوں نے آگے چل کر اشاعت دین میں گراں قدر خدمات کا اضافہ کیا۔ مدت مدیدہ گذرنے کی بدولت کوشش بسیار کے باوجود زیادہ تفصیل ممکن نہیں۔ تاہم دستیاب شواہد کی رو سے آپ کے چند معروف تلامذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں

(۱) حضرت مولانا پیر سید غلام حیدر شاہؒ جلال پوری، خلیفہء اوّل خواجہ شمسؒ الدین سیالوی

(۲) حضرت مولانا مفتی محمد سراج الدینؒ میانوی، برادر عزیز

(۳) حضرت مولانا مفتی غلام احمدؒ میانوی، صاحبزادہ

(۴) حضرت مولانا مفتی حافظ غلام ؒ دستگیر میانوی، برادرزادہ۔

(۵) مناظر اسلام شیخ الحدیث علامہ مفتی غلام مرتضیٰؒ میانوی، برادرزادپوتا

(۶) حضرت مولانا مفتی غلام جیلانیؒ میانوی، برادرزادپوتا

(۷) حضرت مولانا پیر سید غلام حیدرؒ شاہ، پنڈ رحیم شاہ

(۸) حضرت مولانا مولوی فتح ؒ اللہ المعروف بہ مولوی ڈھبی

(۹) حضرت مولانا قاضی غلام نبیؒ بن مولانا قاضی محمدؒ کامل، پنن وال ضلع جہلم

(۱۰) حضرت مولانا قاضی تاج محمود بن مولانا قاضی محمد کامل، پنن وال

(۱۱) مولانا قاضی حسام الدین نبیرۂ مولانا قاضی محمد کامل، پنن وال

(۱۲) مولانا قاضی حسن ؒ الدین بن مولانا قاضی محمدؒ کامل، پنن وال

(۱۳) میاں شیر محمدؒ صاحب، بیربل ضلع سرگودھا

(۱۴) حافظ عبدالرحیم ؒ صاحب

(۱۵) حافظ میاں ہدایتؒ اللہ صاحب

(۱۶) حافظ مولویؒ محمد بصیر صاحب

Scanned with CamScanner

(۱۷)　میاں علم دین ؒ بن مولانا قاضی ؒ محمد کامل، پنن وال

(۱۸)　میاں فتح محمد ؒ صاحب پنڈ دادن خان

(۱۹)　مولوی حافظ محمود ؒ صاحب

(۲۰)　مولوی حافظ عمر ؒ صاحب

(۲۱)　مولوی حافظ عبد الغفور ؒ صاحب

(۲۲)　مولوی محرم ؒ علی صاحب

تلامذہ میں بعض پر علم ظاہری کے حصول کا رجحان غالب اور بعض پر علم باطنی کا غلبہ ہوتا تھا۔ آپ دونوں علوم میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ اس لئے ان کے حسب حال ان پر توجہ فرماتے۔ آپ کی سریع الاثر توجہات سے طلباء جلد فیض یاب ہو جاتے۔ مولانا غلام محی الدین قصوری مفتی صاحب کے نام اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں

''یہ جو آپ نے طالب علموں میں توجہ کی تاثیر کا حال تحریر کیا ہے اس سے خوشی دو خوشی ہوئی۔ الحمدللہ کہ ہر طرف چھائی ہوئی تاریکی میں کسی سے کو کسی نورِ دل پہنچا'' (۱۷)

اور یہ نورِ دل کبھی اتنی قوت سے اثر پذیر ہوتا کہ بعض طلباء کے لئے تمام علوم کے در وا ہو جاتے۔ حضرت پیر سید حیدر شاہ جلال پوری پنن وال میں مولانا قاضی محمد کامل کے ہاں زیر درس تھے۔ آپ کے تذکرہ نگار رقم طراز ہیں۔

''ایک روز اتفاقاً جناب مفتی غلام محی الدین صاحب جو اپنے علمی تبحر کے اعتبار سے گرد و نواح کیا دور دور تک اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ اہم سے اہم مسائل فقہ کو پانی کی طرح حل کر کے دکھا دیتے تھے، وہاں تشریف لائے۔ حضرت خواجہ صاحب درس کنز الدقائق میں مصروف تھے۔ قاضی صاحب نے نام اور مسکن بتایا، حسب ونسب سے اطلاع دی۔ نگاہِ محبت سے مفتی صاحب نے خواجہ صاحب کو دیکھا اور فرمایا جب تک ہم یہاں ہیں ان کا سبق ہمارے ذمہ رہا۔

چناں چہ جب تک مفتی صاحب وہاں رہے خواجہ صاحب ان کے افادات علوم سے متفیض و مستفیض ہوتے رہے۔ مفتی صاحب ایک باخبر صاحبِ باطن تھے اپنی توجہات سے خواجہ صاحب کو مالا مال کر دیا اور آپ کی ذہنی قوتوں اور رجذب علوم باطنی کی کیفیتوں کی داد دیتے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت خواجہ صاحب کو زمانہ طالب علمی ہی میں خدا رسیدگی کا علم ہو گیا تھا اور آپ

از پدرش چه خیری نایدی ... ٭ ... که از پسرش ببینی؟

سمجھ گئے تھے کہ ولایت کرامت کی حکومت آپ کے ہاتھ میں آنے والی ہے'' (۱۸)

اختر راہی حضرت شاہ صاحب کے تذکرہ میں لکھتے ہیں

''درس نظامی کی بعض کتابیں پنن وال کے مقام پر قاضی محمد کامل سے پڑھیں، یہیں اپنے دور کے بلند پایہ عالم مفتی غلام محی الدین سے استفادہ کیا اور کنز الدقائق کا درس لیا۔ اسکے بعد کسی دوسرے عالم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا'' (۱۹)

یاد رہے کہ شاہ صاحب جب مفتی صاحب سے مالا مال ہوئے اُس وقت تک ابھی حضرت سیالویؒ کے فیضِ صحبت سے مشرف نہیں ہوئے تھے۔ اس سے مفتی صاحب کی تاثیرِ علمِ ظاہر و باطن کا بخوبی ادراک کیا جا سکتا ہے۔

آپ کے مرشد طریقت

حضرت مولانا غلام محی الدینؒ قادری نقشبندی مجددی قصوری:

مفتی صاحب کی نسبت روحانی کے ذکر سے پہلے ذیل میں ''انوار محی الدین'' اور دیگر تذکروں سے بالاختصار آپ کے مرشد طریقت کا تذکرہ پیش خدمت ہے تاکہ مفتی صاحب کے ذوق سلوک اور مرشد کے فوق سلوک کا اندازہ لگایا جا سکے کہ آپ ایسا متبحر عالم جس منبع عرفاں سے قلبی اطمینان پاتا ہے وہ کس درجہ کا ہے!

حضرت مولانا خواجہ غلام محی الدین نقشبندی مجددی دائم الحضوری قصوری (۱۲۰۲ھ تا ۱۲۷۰ھ ۱۷۸۹/ء تا ۱۸۵۵ء) قصور میں پیدا ہوئے۔ آپ پیر وارث شاہ اور بلھے شاہ کے استاذ مخدوم پنجاب حضرت مولانا حافظ غلام مرتضی قصوری کے پوتے ہیں۔ والد گرامی کا نام مولانا حافظ غلام مصطفےٰ قصوری ہے جو کہ وقت کے جید عالم تھے۔ حضرت قصوریؒ کا سلسلۂ نسب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ قرآن و حدیث، فقہ، منطق و فلسفہ، صرف و نحو، شعر و ادب، اسماء الرجال، فصاحت و بلاغت، خطابت، قواعد، مناظرہ اور دیگر جملہ علوم متداولہ پر کامل عبور رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے عم محترم حضرت مولانا شیخ'' محمد قصوری سے علم حاصل کیا اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی سے سند فراغت حاصل کی۔ اور حضرت شاہ عبداللہ المعروف شاہ غلام علیؒ دہلوی سے بیعت و خلافت کا شرف حاصل کیا۔

آپ کے تبحر علمی اور روحانی مدارج کا اندازہ حضرت دہلوی کے ان بیانات سے لگایا جا سکتا ہے۔ آپ جب برہنہ پا شوق ملاقات میں دہلی پہنچے تو حاضری سے تھوڑی دیر پہلے حضرت دہلوی نے حاضرین مجلس سے فرمایا:

''آج ایک امر عظیم ظاہر ہونے والا ہے۔ ایک فاضل اجل سلسلۂ نقشبندیہ میں شامل ہونے والا ہے''
اسی طرح ''مقامات مظہریہ'' میں حضرت دہلوی لکھتے ہیں

''جامع الکمالات علوم ظاہر و باطن حضرت مولوی غلام محی الدین قصوری کہ تلامذہ و مستفیدان بسیار دارند از بلد قصور نزد ایں سراپا قصور آمدہ سعادت فیوض باطن کردند۔ بعنایت الٰہی سبحانہ دراندک مدت بہ نسبت ہائے احمدیہ مناسب بہم رسانیدہ اجازت بلکہ خلافت یافتند''

ایک بار شاہ صاحب نے ایک مفتی شہر کی موجودگی میں فرمایا: ''تین چار ماہ ہوئے یہ مولوی صاحب قصور سے آئے ہیں۔ اس قلیل عرصہ میں انہوں نے جو کمال حاصل کیا، مفتی صاحب! وہ آپ چھ سال میں بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ ہمارے بڑھاپے کی محنت ہے''
حضرت شاہ صاحب نے آپ کو چھ سلسلوں یعنی قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ، سہروردیہ، مجددیہ اور کبرویہ میں بیعت وخلافت کی اجازت عطا فرمائی۔ حضرت قصوری صاحب تصرف وکرامت بزرگ تھے۔ اور آپ کی پوری زندگی ظاہراً و باطناً سیرت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا نمونہ تھی۔

آپ صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ کئی رسائل وکتب مرور زمانہ سے ضائع ہوگئیں تاہم آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف آج بھی محفوظ ہیں۔

(۱) تحفہ رسولیہ (فارسی نظم)

(۲) دیوان حضوری (فارسی نظم)

(۳) خلاصۃ التقریر فی مذمت المنر امیر

(۴) رسالہ نظامیہ در مسئلہ توحید (فارسی نظم) نظریہ وحدت الوجود کے رد میں ہے۔

(۵) رسالہ دررد" فرقہ ضالہ وہابیہ

(۶) رسالہ سلالہ (فارسی نثر) مولوی خرم علی کے رد میں غلام رسول، عبدالنبی، عبدالرسول وغیرہ ناموں کے جواز سے متعلق ہے۔

(۷) زاد الحاج (پنجابی نظم) مسائل حج بیان ہوئے۔

(۸) خطبات جمعہ وعیدین (عربی و فارسی نظم)

(۹) شرح بوستان، عربی

(۱۰) رسالہ میراث

(۱۱) شرح درود مستغاث

(۱۲) حلیہ مبارکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱۳) اسرار الحقیقۃ

(۱۴) ملفوظات حضرت شاہ غلام علی دہلوی المشہور بہ چہل مجالس

(۱۵) مکتوبات شریف۔ مختلف مخلصین کے نام خطوط، فارسی نثر

خلفاء:

ایک زمانہ نے آپ سے فیض حاصل کیا، بے شمار لوگوں کو شریعت کا پابند بنایا۔ اور بعض خواص کو بیعت وارشاد طریقت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

آپ کے چند ممتاز خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں

(۱) حضرت مولانا غلام نبیؒ للٰہی، ضلع جہلم۔

(۲) حضرت مولانا غلام مرتضیٰؒ، بیربل ضلع سرگودھا۔

(۳) حضرت مولانا حافظ نور الدینؒ، چکوڑی بھیلووال، گجرات۔

(۴) حضرت مولانا حافظ علم الدین وحافظ محمد دین برادران حافظ نورؒ الدین، چکوڑی۔

(۵) حضرت مولانا مفتی غلامؒ محی الدین، نمک میانی ضلع سرگودھا۔

(۶) حضرت مولانا مفتی غلامؒ احمد بن مفتی غلام محی الدینؒ میانوی۔

(۷) حضرت مولانا مفتی سراجؒ الدین بن مفتی حافظ شیخ عبداللہؒ، نمک میانی ضلع سرگودھا۔

(۸) حضرت مولانا مفتی حافظ غلامؒ دستگیر بن مفتی سراجؒ الدین میانوی۔

(۹) حضرت مولانا غلامؒ محمد، مرالی ڈیرہ اسماعیل خان۔

(۱۰) حضرت مولانا بدرؒ الدین، اوچ لدھے کے نزد للیانی لاہور۔

(۱۱) حضرت مولانا غلام دستگیرؒ قصوری، قصور۔

(۱۲) حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالرسولؒ قصوری، قصور۔

(۱۳) حضرت مولانا محمدؒ اشرف علی، بھیرہ۔

(۱۴) حضرت مولانا کرم الٰہیؒ والد مولوی دلپذیرؒ بھیروی۔

(۱۵) حضرت مولانا شیخ عطاءؒ اللہ قندھاری، افغانستان۔

(۱۶) حضرت مولانا صالحؒ محمد کنجاہی، گجرات۔

(۱۷) حضرت مولانا سلطانؒ احمد، کانگڑہ۔

(۱۸) حضرت مولانا محمودؒ صاحب، خوشاب۔

(۱۹) حضرت مولانا ولیؒ محمد، فاروق آباد چوہڑ کانہ

(۲۰) حضرت مولانا فیضؒ محمد

(۲۱) حضرت مولانا حافظ سردارؒ صاحب، کانگڑہ

(۲۲) حضرت میاں عثمانؒ صباغ

(۲۳) حضرت محمد خانؒ علی زئی

(۲۴) حضرت میاں احمدؒ، ڈیرہ اسماعیل خان

(۲۵) حضرت میاں کرم دین صاحبؒ

(۲۶) حضرت مولانا خواجہ نور محمدؒ

جانشین:

آپ کے وصال کے بعد صاحبزادہ عبدالرسولؒ (۱۲۳۵ھ تا ۱۲۹۴ھ ۱۸۲۱ء تا ۱۸۷۸ء) آپ کے جانشین ہوئے۔ حضرت قصوری نے آپ کی ولادت سے ایک سال قبل ہی آپ کا نام، کنیت، حلیہ، عمر، معمولات زندگی اور سال وفات تک اپنی کتاب تحفہ رسولیہ میں شائع کر دیے تھے۔ چناں چہ ان کی ولادت سے وفات تک تمام حالات اسی طرح رونما ہوئے جس طرح آپ کی ولادت سے ایک سال پہلے شائع ہو چکے تھے۔ اس واقعہ سے حضرت قصوری کے کشف و کرامات کو تاریخی شہرت ملی۔

صاحبزادہ صاحب نے تمام علوم ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد سے حاصل کئے اور انہی

سے بیعت وخلافت پائی۔ آپ کی اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے اپنے دونواسوں سید محمد شاہ اور سید احمد شاہ، میں سے اول الذکر کو اپنی زندگی میں جانشین مقرر کیا، حضرت ثانی کی وفات کے وقت سید محمد شاہ (۱۲۸۳ھ تا ۱۳۶۰ھ) گیارہ برس کے تھے۔ انہوں نے علوم ظاہری کی تحصیل پہلے لاہور میں اور پھر مولانا غلام مرتضیٰ بیربلوی سے کی۔

ان کے انتقال پر دوسرے نواسے سید احمد شاہ کے صاحبزادے سید نذیر احمد شاہ جانشین بنے لیکن ایک سال بعد ۱۹۴۲ع میں انتقال کر گئے تو ان کے صاحبزادہ سید شبیر احمد شاہ (نومبر ۱۹۲۶ع تا دسمبر ۱۹۶۹ع) سولہ سال کی عمر میں جانشین مقرر ہوئے۔ (۲۰)

خاندانی ذمہ داریوں اور درس گاہ کی مصروفیات کے باعث تکمیل تعلیم نہ کر سکے۔ تاہم تمام خلفاء و متعلقین سے ازسرنو مستقل رابطہ، تزک واحتشام سے سالانہ عرس، حضرت قصوری کے روضہ کی تعمیر اور اس سے متصل قدیم مسجد کی توسیع وتعمیر نو، ''انوار محی الدین'' کے عنوان سے حضرت کے حالات زندگی پر کتاب کی اشاعت اور ڈھولر شریف کمالیہ میں وسیع زرعی اراضی ومریدین کی کثیر تعداد کی بدولت رہائشی مکانات اور لنگر خانہ کی تعمیر ایسے کام آپ ہی نے انجام دیے۔ آپ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ خوش رو، نرم خو اور نرم گفتگو تھے۔ جود وسخا آپ کا وصف خاص تھا۔ وصال پر ڈھولر میں آپ کی تدفین ہوئی۔ آپ کے تین صاحبزادے ہوئے، سید منیر احمد شاہ (ولادت ۱۹۵۸ع)۔ سید مشتاق احمد شاہ (ولادت ۱۹۶۱ع)، سید سعید احمد شاہ (ولادت ۱۹۶۶ع) آخر الذکر نے ۱۹۹۹ع میں وفات پائی۔ (۲۱)

ثانی الذکر ڈھولر میں مقیم ہیں۔ آپ کے مزاج میں ٹھہراؤ اور شخصیت میں جاذبیت ہے۔ اوّل الذکر نے والد کی وفات پر گیارہ برس کی عمر میں خاندانی وخانقاہی ذمہ داریاں سنبھالیں اور آپ تک بزرگوں کی روایات کے امین ہیں،۔ آپ خوش روئی ونرم خوئی اور ملنساری میں والد گرامی کا عکس ہیں۔ آپ سے راقم الحروف کی ملاقات ہوئی آپ نے ''انوار محی الدین'' ہدیۃً عطا فرمائی اور مکتوبات حضرت قصوری کے مطالعہ کے لیے دوبارہ حاضری کا حکم دیا۔ آپ قصور اور ڈھولہ میں مدارس میں تعمیر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یورپ میں وارث شاہ بین الاقوامی کانفرنس میں بہ طور چیف گیسٹ تشریف لے جا چکے ہیں۔

حضرت قصوری کی دینی وملی خدمات رہتی دنیا تک یادرکھی جائیں گی۔ آپ کا مزار قصور

☆ بہ شیریں زبانی ولطف وخوشی..........توانی کہ پیلی بہ موئی کشی ☆

میں مرجع خلائق ہے۔

بیعت وخلافت :

ظاہری علوم کے ساتھ تزکیہ نفس اور روحانی اصلاح و ارتقاء کے لیے اہل اللہ کے ساتھ تعلق کی اہمیت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ مفتی صاحب سے یہ حقیقت پوشیدہ نہ تھی۔ اس جانب زیادہ میلان طبع اس لئے بھی تھا کہ آپ کے والد ماجد صاحب دل بزرگ تھے۔ ان کی تعلیم وتربیت اور طرز زندگی کے خصوصی رنگ سے متاثر ہونا بالکل فطری امر تھا۔ ان کی حیات میں ان کے فیوض و برکات سے اطمینان قلب رہا۔ آپ محض اکیس برس کے تھے جب ان کا وصال ہوا۔ اب جذبِ نور الٰہیہ کے لئے کسی مرد کامل سے وابستہ ہونے کی آرزو شدت سے دامن گیر ہوئی۔

اُس دور میں علماء تحصیل علم اور بلند تر مرتبہ صاحبِ باطن مشائخ عظام کی تلاش میں دور دراز کا سفر کیا کرتے تھے۔ مفتی صاحب بھی کمال باطنی کے حصول کے لیے عازم سفر ہوئے اور کسی گوہر نایاب کی جستجو نے آپ کو قصور میں آستانۂ دائم الحضوری پر پہنچا دیا۔ دل نے گواہی دی کہ منزل مقصود یہی ہے۔ حضرت قصوری جامع الکمالات تھے۔

چناں چہ مفتی صاحب کی نگاہِ انتخاب اس منبع علم وعرفان پر ٹھہر گئی۔ اور آپ حضرت قصوری کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ اور جلد ہی روحانی ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے مرشد کامل کی نگاہ میں بلند مرتبہ حاصل کر لیا۔ حضرت قصوری نے آپ کو تمام مقامات مجددیہ طے کرا کر ان تمام فیوض باطنی سے نواز دیا جو انہیں حضرت دہلوی سے حاصل ہوئے تھے۔

حضرت قصوری نے آپ کو تصوف کے چار سلسلوں نقشبندیہ، قادریہ، مجددیہ، اور سہروردیہ میں بیعت وخلافت کی اجازت عطا فرمائی۔ آپ حضرت کے ممتاز خلفاء میں سے تھے۔ سید شبیر احمد شاہ بخاری لکھتے ہیں

''حضرت مولانا مفتی غلام محی الدین، حضرت خوجہ غلام محی الدین قصوری کے بڑے خلفاء میں سے تھے'' (۲۲)

صاحب ''تاریخ مشائخ نقشبندیہ'' لکھتے ہیں

''حضرت مفتی غلام محی الدین، آپ کا تعلق نمک میانی ضلع سرگودھا سے تھا۔ حضرت کے

اعظم خلفاء میں سے تھے۔ فقہ اسلامی میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز مقام رکھتے تھے'' (۲۳)

اگرچہ آپ کو مذکورہ سلاسل اربعہ میں اجازت وخلافت حاصل تھی۔ تاہم آپ کا زیادہ میلان سلسلۂ قادریہ کی طرف تھا۔ اور اپنے نام کے ساتھ بھی قادری لکھتے تھے۔ ملا معین مسکین فراہی کی تفسیر فاتحۃ الکتاب نقل کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں

''قدتم تفسیر فاتحۃ الکتاب بعون الملک الوہاب بتاریخ رابع ربیع الاول ۱۲۸۰ھ من ید المسکین غلام محی الدین احمدی حنفی القادری النمک ساری'' (۲۴)

اس میں احمدی، شیخ احمدؒ فاروقی سرہندی مجدد الف ثانی کی طرف نسبت اور نمک ساری سے میانوی مراد ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں

''تمام شد رسالہ'' وجہ حصر مذاہب در اربعہ'' بید مسکین غلام محی الدین نمکساری قادری غفر اللہ لہ ولوالدیہ'' (۲۵)

اسی طرح کتاب ''شرح قصیدۃ الخمریۃ النوریہ'' کا نصف اول آپ کے والد ماجد نے نقل کیا اور ان کی وفات کے بعد نصف ثانی کی تکمیل آپ نے کی۔ اس کے آخر میں اپنے والد کا نام، اپنا فقہی مسلک، سلسلۂ طریقت، ذات اور وطن اس طرح لکھتے ہیں

''قدتم الشرح الشریف النفیس فی ضحوۃ یوم الخمیس بتاریخ سادس عشرین ربیع الثانی (۱۲۵۷ھ) من ید ابن شیخ عبد اللہ المفتی المسکین غلام محی الدین الحنفی مذہبا والقادری طریقۃً والھجرای عرفاً والنمکساری وطناً'' (۲۶)

شجرۂ طریقت:

حضرت قصوری کی وساطت سے مفتی صاحب کا شجرۂ طریقت اس طرح ہے

مفتی غلام محی الدین میانوی، مولانا غلام محی الدین قصوری، شاہ غلام علی دہلوی، مرزا مظہر جان جاناں، سید نور محمد بدایونی، خواجہ محمد معصوم اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

یعنی پانچ واسطوں سے حضرت مجدد کے ساتھ ملتا ہے۔ اور آگے وہی جو حضرت مجدد کا ہے۔

(جاری ہے)

Scanned with CamScanner

حواشی وحوالہ جات

۱۔ میانوی، شیخ عبداللہ، مفتی، (تسوید)، شرح وقایہ، قلمی ص ۶۸۴

۲۔ میانوی، غلام محی الدین، مفتی، (تسوید)، مکتوبات شریف حضرت قصوری، قلمی ص ۱۰۰

۳۔ میانوی، غلام احمد، مولانا مفتی، کتاب العملیات والتعویذات، قلمی ص ۲۴۶

۴۔ میانوی، غلام محی الدین، مولانا مفتی، بیاض آمدن وخرچ، قلمی ص ۱۸۸

۵۔ قصوری، غلام محی الدین، مولانا خواجہ، مکتوبات شریف حضرت قصوری، قلمی ص ۵۵

۶۔ قصوری، عبدالرسول، مولانا صاحبزادہ، مکتوب بنام مفتی صاحب، مکتوبات شریف حضرت قصوری، قلمی ص ۸۴

۷۔ بخاری، شبیر احمد شاہ، صاحبزادہ سید، انوار محی الدین، مکتبہ حضوریہ دھولر کمالیہ ۲۰۰۱ع، ص ۲۳۰

// محمد عبدالرسول، صاحبزادہ پروفیسر، تاریخ مشائخ نقشبندیہ، مکتبہ زاویہ لاہور ۲۰۰۰ع، ص ۵۲۲

۸۔ محمد دین، ملک ایڈیٹر، ذکر حبیب، مطبوعہ القمر بک کارپوریشن لاہور، ص ۸۰

۹۔ شرف قادری، عبدالحکیم، علامہ، تذکرۂ اکابر اہل سنت، مکتبہ قادریہ لاہور ۱۹۸۸ع، جلد اوّل ص ۳۰۱

۱۰۔ چشتی، محمد مرید احمد، فوز المقال فی خلفاء پیر سیال، ادارہ تعلیمات اسلاف لاہور ۱۹۹۷ع، جلد اوّل ص ۹۲

۱۱۔ اختر راہی، پروفیسر، تذکرۂ علماء پنجاب، مکتبہ رحمانیہ لاہور ۱۴۰۰ھ، جلد دوم ص ۴۳۳

۱۲۔ عابد نظامی، ڈاکٹر خواجہ، اولیاء اللہ، مکتبہ درویش لاہور، ص ۳۳۴، ۳۳۵

۱۳۔ ذکر حبیب، ص ۲۰۶

۱۴۔ بخاری، شبیر احمد شاہ، صاحبزادہ سید، انوار محی الدین، مکتبہ حضوریہ دھولر کمالیہ، ص ۲۳۰

۱۵۔ مکتوبات شریف حضرت قصوری، قلمی ص ۲۱

۱۶۔ ایضاً ص ۵۶

۱۷۔ مکتوب شریف حضرت قصوری، قلمی ص ۵۶

۱۸۔ ذکر حبیب ص ۸۱

☆ مگس جائی نخواہد رفت بجز دکان حلوائی ☆

Scanned with CamScanner

۱۹۔ تذکرہ علماء پنجاب جلد دوم ص ۴۳۳

۲۰۔ انوار محی الدین ص ۲۳۰

۲۱۔ تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۵۲۱

۲۲۔ میانوی، غلام محی الدین، مولانا مفتی، (تسوید)، تفسیر فاتحۃ الکتاب، قلمی ص ۸۲۴

۲۳۔ ایضاً مجموعہ رسائل قلمی ص ۵۶۳

۲۴۔ ایضاً (تسوید)، شرح قصیدہ الخمریہ النوریہ قلمی، ص ۴۰۷

۲۵۔ فاروقی، اقبال احمد، پیرزادہ۔ تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت لاہور، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۷۵ء، ص ۱۳۸

۲۶۔ میانوی، غلام محی الدین، مفتی، رسالہ درہم الکیس، قلمی ص ۴۳

سیرت طیبہ پر نئی کتاب

سید البشر

بے مثل و بے مثال

★

مؤلف: ہومیوڈاکٹر خالد علی انصاری

★★★

حامد اینڈ کمپنی ۳۸ اردو بازار لاہور

تقسیم کار: فرید بک سٹال اردو بازار لاہور

میں مرجع خلائق ہے۔

بیعت وخلافت:

ظاہری علوم کے ساتھ تزکیہ نفس اور روحانی اصلاح وارتقاء کے لیے اہل اللہ کے ساتھ تعلق کی اہمیت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ مفتی صاحب سے یہ حقیقت پوشیدہ نہ تھی۔ اس جانب زیادہ میلان طبع اس لئے بھی تھا کہ آپ کے والد ماجد صاحب دل بزرگ تھے۔ ان کی تعلیم وتربیت اور طرز زندگی کے خصوصی رنگ سے متاثر ہونا بالکل فطری امر تھا۔ ان کی حیات میں ان کے فیوض وبرکات سے اطمینان قلب رہا۔ آپ محض اکیس برس کے تھے جب ان کا وصال ہوا۔ اب جذبِ نور الٰہیہ کے لئے کسی مرد کامل سے وابستہ ہونے کی آرزو شدت سے دامن گیر ہوئی۔

اُس دور میں علماء تحصیل علم اور بلند تر مرتبہ صاحبِ باطن مشائخ عظام کی تلاش میں دور دراز کا سفر کیا کرتے تھے۔ مفتی صاحب بھی کمال باطنی کے حصول کے لیے عازم سفر ہوئے اور کسی گوہر نایاب کی جستجو نے آپ کو قصور میں آستانۂ دائم الحضوری پر پہنچا دیا۔ دل نے گواہی دی کہ منزل مقصود یہی ہے۔ حضرت قصوری جامع الکمالات تھے۔

چناں چہ مفتی صاحب کی نگاہِ انتخاب اس منبع علم وعرفان پر ٹھہر گئی۔ اور آپ حضرت قصوری کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ اور جلد ہی روحانی ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے مرشد کامل کی نگاہ میں بلند مرتبہ حاصل کرلیا۔ حضرت قصوری نے آپ کو تمام مقامات مجددیہ طے کرا کر ان تمام فیوض باطنی سے نواز دیا جو انہیں حضرت دہلوی سے حاصل ہوئے تھے۔

حضرت قصوری نے آپ کو تصوف کے چار سلسلوں نقشبندیہ، قادریہ، مجددیہ، اور سہروردیہ میں بیعت وخلافت کی اجازت عطا فرمائی۔ آپ حضرت کے ممتاز خلفاء میں سے تھے۔ سید شبیر احمد شاہ بخاری لکھتے ہیں

''حضرت مولانا مفتی غلام محی الدین، حضرت خوجہ غلام محی الدین قصوری کے بڑے خلفاء میں سے تھے'' (۲۲)

صاحب ''تاریخ مشائخ نقشبندیہ'' لکھتے ہیں

''حضرت مفتی غلام محی الدین، آپ کا تعلق نمک میانی صلع سرگودھا سے تھا۔ حضرت کے

میں امام محمد سے ملنے کا عزم کیا۔ وہ جب اپنے مقدمہ کے بارے میں بات کرنے کے لیے امام محمد کی مجلس میں پہنچے تو اس وقت وہ اہل مدینہ (مالکی) کے اصول فقہ اور طریقہ فقہ پر اعتراض کر رہے تھے۔ امام شافعی ان کی تنقید سنتے رہے۔ وہ خود امام مالک بن انس کے شاگرد تھے اگرچہ وہ بھی بعض اصولوں میں اپنے استاد امام مدینہ سے اختلاف رکھتے تھے لیکن جس موضوع پر اب گفتگو ہو رہی تھی، اس مسئلے میں ان کی رائے امام محمد سے مختلف تھی اور وہ اہل مدینہ کے ہمنوا تھے۔ ایک سچے صاحب علم کے لیے یہ ایک مشکل مقام ہوتا ہے کہ وہ اپنے پاس علم و استدلال کے ہوتے ہوئے محض اپنی ذاتی مصلحت کی خاطر خاموش رہے۔ فرزندِ حجاز (امام شافعی) سوچتے رہے کہ یہ عجیب کش مکش ہے، میں کس لیے آیا تھا اور یہاں کیا ہو رہا ہے۔ علم کے باوجود خاموش رہوں تو یہ کتمان حق و علم اور مداہنت ہوگی جو کہ اہل علم کے لیے مناسب نہیں اور مخالفت کروں تو پھر ان کی مخالفت کا اثر میری رہائی پر پڑتا ہے۔ کچھ دیر انہوں نے خاموشی اختیار کی۔ آخر کب تک؟ جب نہ رہا گیا تو امام محمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''حضرت گزارش ہے کہ! اگر آپ کا اعتراض مدینہ پر ہے تو یہ شہر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کی جگہ ہے اور اسی شہر میں وحی و احکام کا نزول ہوا۔ اور اگر اہل شہر پر اعتراض ہے تو اس میں مہاجرین و انصار کی اولاد اور ان کے پیروکار رہتے ہیں۔'' امام شافعی نے نہایت مودب لہجے میں نرمی کے ساتھ کہا۔

''میں اہل مدینہ نہیں، ان کے اخذ کردہ فقہی احکام پر اعتراض کر رہا ہوں۔'' امام محمد نے فرزند قریش کی طرف رخ کر کے بات کرنا شروع کی۔ ''اہل مدینہ نے ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنے میں قرآن کی مخالفت کی ہے اور میں نے شاہد و یمین کے مسئلہ پر ان کے رد میں بڑی مدلل کتاب لکھی ہے......''۔

''میں نے آپ کی کتاب پڑھی ہے میں اس کتاب کے پڑھنے کے باوجود یہ رائے رکھتا ہوں کہ اہل مدینہ کی فقہی رائے زیادہ معتبر ہے۔'' امام محمد بن ادریس شافعی نے کہا۔

اب اس مسئلہ پر بحث شروع ہوگئی۔ امام شافعی نے امام محمد کے نقطہ نظر پر متعدد اعتراضات وارد کئے جن کی معقولیت کے باعث امام محمد خاموش ہوگئے۔ ماحول کی شدت کے باعث امام شافعی اپنے جس کام کے سلسلہ میں امام محمد سے ملنے آئے تھے اس پر انھوں نے کوئی بات نہ کی۔

☆☆☆

بہتر آں باشد کہ سر دلبراں ☆ گفتہ آید در حدیث دیگراں

Scanned with CamScanner

خلیفہ ہارون الرشید اپنی خلوت گاہ میں تکیے پر سر رکھے لیٹا ہوا تھا۔اس کے قریب کی نشستوں پر چند اہل علم مقربین بیٹھے ہوئے تھے۔علمی موضوعات پر باتیں ہو رہی تھیں کہ خلیفہ کے ایک مقرب خاص نے کہا:

''امیر المومنین کل شاہد و یمین کے مسئلہ پر امام محمد کے ہاں بہت دلچسپ علمی معرکہ ہوا''۔

''کس کس کے درمیان ہوا یہ معرکہ؟'' ہارون الرشید نے سرسری طور پر پوچھا۔

''امام محمد اور اس قریشی نوجوان کے درمیان جس کی بے گناہی کی گواہی امام محمد نے آپ کے حضور پیش کی تھی''۔

''اچھا وہ علوی زادہ ...... ہارون الرشید نے گفتگو میں دلچسپی لیتے ہوئے کہا'' تو کیا دلائل دیئے گئے کچھ یاد ہیں آپ کو؟''

''حضور میں اس مجلس میں خود شریک تھا''۔ہارون کا مقرب خاص کہنے لگا۔''امام محمد نے اہل مدینہ کے موقف پر جب اعتراضات کئے تو اس قریشی نوجوان نے ان سے اختلاف کیا اور اہل مدینہ کے موقف کے حق میں اس طرح عقلی و نقلی دلائل شروع کئے کہ اہل مجلس دنگ رہ گئے۔خوش قسمتی سے میرے پاس اس وقت قلم کاغذ تھا۔میں نے اس مباحثہ کے تمام دلائل تحریر کرنا شروع کر دیئے۔قریشی نوجوان کے دلائل کی معقولیت کو اہل مجلس ہی نے نہیں، خود امام محمد نے بھی تسلیم کیا۔''

''اس مباحثہ کے چند قابل ذکر دلائل ہمیں بتا سکتے ہو؟'' ہارون الرشید نے پوچھا۔خلیفہ کے مقرب خاص نے امام شافعی کے دلائل بیان کرنا شروع کر دیئے۔ابھی چند دلائل ہی بیان کئے تھے کہ خلیفہ، جو تکیے پر سر رکھے لیٹا ہوا تھا، اٹھ بیٹھا۔حیرت و استعجاب کی کیفیت اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

''اس کو شروع سے پھر سناؤ؟''

مقرب خاص نے مباحثہ کی مکمل روداد مع دلائل بیان کرنا شروع کر دی۔ہارون الرشید نہایت توجہ سے یہ علمی گفتگو سنتا رہا۔مباحثہ کی مکمل روداد سننے کے بعد ہارون الرشید نے ایک نظر اہل مجلس پر ڈالی اور پھر گویا ہوا:

''واقعی محمد بن ادریس شافعی محمد بن حسن سے زیادہ عالم ہیں۔'' اور پھر خلیفہ نے اپنے ایک مقرب عالم ہرثمہ بن اعین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''ہرثمہ! پانچ سو دینار شافعی کی نذر کرو اور ان کو حراست سے چھوڑ دو۔''

"جی امیر المومنین آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی" ہرثمہ بن اعین نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

یہ دور ابتلا فرزند قریش کے لیے پیام رحمت ثابت ہوا۔ہارون الرشید کی تلوار سے نجات پانے کے بعد محمد بن ادریس امام محمد کے زیر سایہ آ گئے۔اب وہ زیادہ جوش وخروش کے ساتھ حصول فقہ میں منہمک ہوگئے۔اس واقعہ کے بعد انھوں نے پھر پڑھنے اور پڑھانے اور مذاکرے کا سلسلہ شروع کر دیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فقہ وتخریج میں انھوں نے وہ بلند مقام حاصل کیا کہ مکہ یا یمن کے قیام کی صورت میں اس کا حصول کسی طرح ممکن نہ تھا۔اب انھوں نے ایسی وسعت نظر، گہرائی، فراست اور تفقہ کی دولت حاصل کر لی کہ بہت جلد وقت کے اعاظم رجال میں ان کا شمار ہونے لگا۔

امام شافعی کو امام محمد سے بڑی محبت ہوگئی وہ امام کا انتہائی احترام کرتے اور ان کے علم وفضل کی تحسین وستائش برملا کرتے تھے۔ایک دن فرمانے لگے:

"جب بھی کوئی پیچیدہ یا نازک مسئلہ میں نے کسی فقیہہ سے دریافت کیا تو اس کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھے۔البتہ امام محمد کی ذات گرامی ایسی نہ تھی۔"

خود امام محمد کا بھی یہ حال تھا کہ وہ اپنے اس شاگرد کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھتے تھے یہاں تک کہ خلیفہ وقت کی مجلس پر شافعی کو ترجیح دیتے تھے۔

☆☆☆

امام شافعی امام محمد کو ملنے کے لیے جب امام محمد کی رہائش گاہ کے باہر پہنچے تو وہ خراسانی خچر پر سوار ہو چکے تھے۔آگے خادم خچر کی لگام تھامے چل پڑا۔شافعی یہ دیکھ کر کہ امام محمد کہیں روانہ ہو رہے ہیں مڑنے ہی لگے تھے کہ امام محمد کی ان پر نظر پڑ گئی۔شافعی کو دیکھتے ہی وہ سواری سے نیچے اتر پڑے اور خادم سے کہا:

"جا! دارالامراء جا کر میری طرف سے معذرت کر آ"

"آپ تو کہیں جا رہے تھے؟" محمد بن ادریس نے کہا۔

"امیر المومنین سے میری مجلس کا وقت تھا لیکن اب آپ آ گئے ہیں تو اور کہیں نہیں جاؤں گا۔" امام محمد نے شافعی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"میں کسی اور وقت حاضر ہو جاؤں گا"۔

Scanned with CamScanner

''واہ! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' پھر دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے گھر میں داخل ہو گئے اور دیر تک علمی نشست جاری رہی۔

امام محمد کے شاگرد کی حیثیت سے محمد بن ادریس شافعی دو سال بغداد میں مقیم رہے۔ یہ ۱۸۶ھ کے اواخر کی بات ہے جب وہ بغداد سے پھر مکہ کی طرف عازم سفر ہوئے تو فقہائے عراق کی ایک بار شتر کتابیں ان کے ساتھ تھیں۔

امام محمد نے مکہ میں آمد کے بعد حرم پاک میں اپنی مجلس درس قائم کی اور علم کے پیاسوں کو سیراب کرنے لگے۔ اس وقت امام کی عمر چھتیس سال کے قریب تھی۔ لوگوں کا ایک ہجوم تھا جو ہر وقت انھیں گھیرے رکھتا۔ مخلوق خدا اس مرکز علم کی طرف کشاں کشاں چلی آ رہی تھی۔ (جاری ہے)

آبادی کے لحاظ سے دنیا کے سب سے بڑے مذہب

کا مطالعہ کیجئے

عیسائیت، حقائق و واقعات

از رضی الدین سید

سینٹ پال کون تھا؟ صلیب کی کہانی بائیبل میں توحید

بائیبل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ جمیل بائیبل کا تجزیاتی مطالعہ سنڈے کی کہانی

کرسمس کیوں کیسے؟ عشائے ربانی تاریخ کلیسا

کیتھولک اور پروٹسنٹ انجیل برناباس تثلیث کیا ہے؟

گرجاؤں کے اختیارات کیا حضرت عیسی کو واقعی پھانسی ہوئی تھی

قرآن حضرت عیسی کے بارے میں کیا کہتا ہے کیا انسان پیدائشی گناہ گار ہے؟

باپ بیٹے اور روح القدس کی وضاحت چرچ آف انگلینڈ

ناشر: اسلامک ریسرچ اکیڈمی ڈی ۳۵، بلاک ۵، فیڈرل بی ایریا کراچی

"گلیوں" سے متعلق معاملات اور مسائل

(قسط ششم)

مفتی نذیر احمد، جامعہ ضیاء مدینہ ثانی، ڈالالی

گلی کی فضا میں متنوع ضرر رساں تصرفات؟

عام گزرگاہ اور گلی کی فضا میں نقصان دہ اور جان لیوا تصرفات کی ایک طویل فہرست ہے۔

۱۔ گلی کی ایک طرف نصب شدہ بجلی کے کھمبوں سے میٹر کی تار گلی کی دوسری طرف گھروں میں بجلی کی ترسیل کے لئے لے جانا، واضح ہے اگر "تار" گلی کے درمیان فضا میں معمولی سطح کی بلندی میں لٹکائی جائے تو جانی اور مالی نقصان کا باعث بنے گی، بہت بلندی میں گلی اور عام گزرگاہ کی فضا میں کھینچی ہوئی تاریں ڈھیلی ہونے کے بعد بعض اوقات اس قدر نیچے آجاتی ہیں جو ضرر رسانی کا باعث بنتی ہیں۔

۲۔ سیاسی، مذہبی اور ہر قسمی کاروبار کی پبلی سٹی کے لئے جا بجا پینا فلیکس چوراہوں اور راستوں کی فضا میں بایں طور آویزاں کئے جاتے ہیں، جن سے کبھی کبھار گاڑیوں کی چھتوں پر سفر کرنے والے مسافر یا چھتوں پر لادا ہوا سامان الجھ جاتا ہے، رواں گاڑیوں کی چھت سے گرنے والے انسانوں اور مال و متاع کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے۔

۳۔ کسی کالونی یا محلہ میں تشریف لانے والے قابل قدر مہمان کی تکریم کے سلسلہ میں جس راستہ سے اس نے آنا ہوتا ہے ایک خوبصورت، پھولوں سے سجا ہوا گیٹ تیار کیا جاتا ہے اور جلی حروف میں "اھلا وسھلا" ایک کپڑے پر لکھ کر، اس بینر کو گیٹ کی پیشانی پر لٹکا دیا جاتا ہے، مزید تیز ہواؤں کے جھونکوں سے بچنے کے لئے اس بینر کے نیچے تین چار وزنی پتھر باندھ دئے جاتے ہیں، اس امر میں غفلت برتنے کے انجام میں بڑی گاڑیاں وہاں سے گزر نہیں سکتیں اور گزرنے والی گاڑیوں کی

پیشانیوں کو وہ پتھر پیہم چھونے سے نقصان پہنچاتے رہتے ہیں ۔ ''گلیوں اور راستوں میں اس نوعیت کے نصب شدہ تنکریمی گیٹ'' آئے ہوئے مہمان کے واپس گھر جانے کے بعد بھی کئی روز تک وہاں سے گزرنے والوں کے لئے باعث تکلیف بنا رہتا ہے'' زورآوروں کی نگری میں کسی میں ہمت نہیں ہوتی کہ اسے اتار دے۔''

۴۔ راستہ کی حدود چھوڑ کر گھر کے سامنے خوبصورتی یا سایہ کے لئے جو درخت لگائے جاتے ہیں ، ایسے درخت برسرِ راہ ہونے کی وجہ سے جب شاخیں نکالتے ہیں تو گھر کی طرف دیوار مانع ہونے کی بنا پر مکمل ٹہنیاں گلی کی فضا میں لٹکنے کی وجہ سے راستہ کی حدود میں ایک چھپر سا بن جاتا ہے، گویا کہ اس کی دیواریں تو تنے کی صورت میں ایک گھر کے سامنے ہوتی ہیں، مگر اس پر رکھی ہوئی چھت گلی اور عام گزرگاہ کی فضا میں تنی رہتی ہے، وہاں سے گزرنے والے لوگ اور گاڑیاں، ٹریفک قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مخالف سمت سے گزرتے ہیں ، ایسا سایہ دار درخت کبھی حادثات کا باعث بھی بن جاتا ہے۔

۵۔ گلی اور راستہ کے حدود سے ہٹ کر کبھی گھر کی کسی اور دیوار کے قریب ایسے درخت اور بیلیں لگانے سے ہمسایہ کے گھر میں درخت کی ٹہنیاں اور بیلیں داخل ہوجاتی ہیں۔

۶۔ راستہ اور گلی کی فضا میں آٹھ دس فٹ کی بلندی پر چھت ڈال کر اس کے اوپر کاروبار یا ذاتی ضرورت کے لئے کمرہ تعمیر کرلیا جاتا ہے۔

۷۔ راستوں اور گلیوں کی فضا میں پُل تعمیر کرلیا جاتا ہے۔

۸۔ اپنے گھر کی چھت پر کھڑے ہوکر پتنگ کی ڈور اس قدر دراز کرنا، جو لوگوں کے گھروں کی فضا اور حدود میں داخل ہوجائے ،گلیوں ،چوراہوں اور راستوں سے پار گزرنے سے لوگوں کے گلوں اور دیگر اعضا پر ڈور پھرنے یا جانوروں کے اجسام پر واقع ہونے سے عامۃ الناس کے نفوس اور اموال کے ضیاع کا باعث ٹھہرتی ہے، یا ڈور قاطع تو نہیں مگر راستہ پر اس طرح تنی ہوئی ہے کہ وہاں سے گزرنے والے تصادم کی نذر ہو رہے ہیں۔

۹۔ شاہراہوں کے کنارے چارپایاں اور کرسیاں بنانے اور بُننے کے کے لئے جو دکانیں واقع ہوتی ہیں ،بعض مقامات پر ان دکانوں کے سامنے سوت اور دھاگا تارِ عنکبوت کی طرح ہر وقت تنا رہتا ہے، پراگندہ سوت میں گزرنے والے الجھ جائیں تو شنید میں یہ بانگ آتی ہے''بھائی ذرا دیکھ

کر چلیں''۔

۱۰۔ دیہاتوں اور گاؤں میں جانوروں کے پیکڑا سازی کا عمل اور چارپایاں بننے کے لئے ''بان'' کا گولا اور لچھی راستہ میں ڈال کر اسے سیدھا کیا جاتا ہے، مگر راستوں پر بان سازی کا عمل بان بازاروں کے وجود سے بتدریج متروک ہورہا ہے۔

۱۱۔ گلی اور راستہ کی فضا میں دراندازی کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ''گھر کی دیوار کی بنیاد تو اپنی ملکیت میں ڈالی مگر معمار سے دیوار خمیدہ ہوگئی یا دیوار تو سیدھی بنائی مگر دیر بعد وہ دیوار راستہ یا ہمسایہ کی گھر کی حدود میں جھک گئی، ہمسایہ نے خبردار کیا کہ اپنی دیوار درست کرلیں کہیں ہمیں نقصان نہ پہنچے، محلہ داروں اور راستہ سے گزرنے والوں نے بھی تقاضا کیا، مگر دیوار کے مالک کے کان پر جوں بھی نہ رینگی، نتیجتاً! دیوار گرگئی اور اس کے نیچے لوگ دب کر مر گئے، ہمسایہ کے صحن میں گرنے سے اس کی املاک اور جان کو بھی نقصان پہنچا۔

۱۲۔ گلی کی فضا اور حدود میں تیز لیزر لائٹ مارنا یا ایسی لائٹیں اطراف گزرگاہ پر ہمیشہ کے لئے نصب رکھنا، اچانک ایسی لائٹ واقع ہونے سے کھلبلی بھی مچتی ہے اور وہاں سے گزرنے والوں کی آنکھیں اور نظریں بھی خیرہ ہوتی ہیں۔

۱۳۔ کسی بھی گاڑی کے ذریعہ اتنا سامان لے جانا جس سے راستہ تنگ ہوجائے اور آگے سے آنے والی گاڑی سمت راست سے نہ گزر سکے اور پیچھے سے آنے والی راستہ میں گنجائش نہ ہونے کی بنا پر پیچھے رہے، اگر کوئی گزرنا چاہے تو گاڑی کا نقصان کئے بغیر نہ گزر سکے، اس کی واضح مثال ''گنا''، ''بھوسہ'' اور ''توڑی'' لے جانے والے ٹرائیکٹر ٹرالی اور ٹریلرنیز بہت چوڑے حصہ والی گاڑیاں بھی یہی معنی رکھتی ہیں، چنانچہ اسی تناظر میں گاڑیاں الٹ بھی جاتی ہیں اور جانی نقصان بھی ہوتا ہے۔ ''قصوروار مرنے والوں کو ٹھہرایا جاتا ہے، اس طرز کی رکاوٹیں اٹھا کر چلنے والوں سے بازپرس ہوتی ہے نہ انہیں روڈ پر چلنے کی اجازت دینے والوں سے پوچھا جاتا ہے۔

۱۴۔ راستہ کی فضا میں روشن دان، چھجا، پرنالہ اور دوسری منزل کسی فنی حربہ سے کچھ فضا میں نکال لینا۔

حالانکہ درج کی گئیں وجوہ یا ان کی معنٰی دار کوئی بھی صورت ہو تو اس سے متعلق عمومی حکمِ شرعی یہ ہے کہ جس طرح گلی اور عام گزرگاہ سے استفادہ سلامتی کی شرط کے ساتھ جائز ہے اسی طرح

گلی اور راستہ کی فضا سے فائدہ اٹھانا بھی اس حد تک تو جائز ہے کہ وہاں سے گزرنے والوں اور اس راستہ کے دائیں بائیں تعمیر گھروں میں مقیم لوگوں کو کسی بھی نقصان یا تنگی کا سامنا نہ ہو، اگر گلی اور عام گزرگاہ کی فضا میں تصرف سے عامۃ الناس کی جان اور املاک کو نقصان پہنچے تو اس کا تاوان ایسے عمل کے مرتکب پر ہوگا، اگر راستوں کی فضا میں تعدی سے جان اور مال کا زیاں تو نہیں ہوتا مگر تنگی اور تکلیف ہے تو پھر بھی جواز نہیں۔

تفصیلی حکم

قائم کئے گئے عنوانات کی ترتیب کے مطابق! تفصیلی حکم یہ ہے۔

(ا) سرکاری اور حکومتی محکمے جس قدر بااختیار ہوں، انہیں اس نوعیت کا کام کرنا یا اذن دینا جس سے لوگوں کی جان اور املاک کو خطرہ ہو روا نہیں مثلاً بجلی کے کھمبے سے دوسری طرف معمولی سطح کی بلندی سے تار کھینچنا اور تاننا جس سے گزرنے والی گاڑیاں اور ان میں سفر کرنے والے لوگوں کو نقصان پہنچے گا۔ یا مقامی کوئی آدمی عارضی طور بجلی کے کھمبے سے تار اپنے گھر کی طرف لٹکا کر لے جاتا ہے، جس سے پیدل چلنے والوں کی جان اور املاک کو نقصان پہنچتا ہے اور خطرناک حالت میں آویزاں تار گلی اور راستہ کی فضا میں ہے تو نقصان کا تاوان ایسا عمل کرنے والے پر ہوگا۔

شیخ الاسلام علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وهواء الطريق كاصل الطريق حق المارة، فمن احدث فيه شيئا كان متعديا ضامنا

راستہ کی فضا، اصل راستہ کی مثل ہے گزرنے والے کے حق، لہذا اگر کسی نے فضا میں کوئی (نقصان دہ چیز) پیدا کی تو وہ تصرف بے جا کی وجہ سے نقصان کا تاوان دے گا (مبسوط، ۲۷/۱۰، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ فخر الدین زیلعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"**انما يضمن باشغال هواء الطريق**" راستہ کی فضا مصروف کرنے کی وجہ سے وہ نقصان کا تاوان دے گا۔

(تبیین الحقائق، ۷/۳۰۰، امیر حمزہ کتب خانہ کوئٹہ)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

Scanned with CamScanner

العلة فی الضمان ھی التعدی بشغل ھواء الطریق کما ذکرہ الزیلعی

تاوان کی اصل وجہ تعدی ہے راستہ کی فضا مصروف کرنے کی وجہ سے۔ (ردالمحتار، ۱۰/۲۶۹ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۲) سیاسی، مذہبی اور کاروباری پبلی سٹی کے لئے پینا فلیکس چوراہوں اور راستوں کی فضا میں آویزاں کرنا جن سے گاڑیوں کی چھتوں پر سفر کرنے والے مسافر یالا دا ہوا سامان ٹکرا کر گرجائے یا بسوں اور ٹرکوں کی پیشانی بینر سے الجھنے سے ان کے شو اور خوبصورتی کو نقصان پہنچے تو انسانوں کی جان کے ضیاع، سامان کی شکستگی اور گاڑیوں کو پہنچنے والے نقصان کا تاوان پینا فلیکس آویزاں کرنے والے حضرات پر ہوگا۔

(۳) مہمان کی تکریم کے سلسلہ میں متنوع اشیاء زیب و زینت سے مرصع گیٹ داخلی راستہ پر نصب کرنا، جس سے راستہ کا عرض وطول کوتاہ پڑجائے، بڑی گاڑیاں وہاں سے اندر نہ آسکیں، مزید گیٹ کے ماتھے پر لٹکے ہوئے بینر کو قابو رکھنے کے لئے اس کے نیچے پتھر باندھ دئے جائیں تو اس سے بھی جس قدر نقصان ہوگا اس کا تاوان صاحب گیٹ پر ہوگا، عام گزرگاہ میں توسع کو ختم کرنا یا اپنے پروگرام کے انجام تک راستہ میں تنگی پیدا کئے رکھنا بالکل نادرست ہے، کیونکہ راستہ پر تو ہر کسی کو حق مرور ہے، اس میں خلل ڈالنا گویا مسدود کرنے کے مترادف ہے اور مالکانہ تصرف کے مساوی ہے حالانکہ اس نوع کے تصرفات کا اذن کسی کو بھی نہیں ہے۔

(۴۔۵) اپنے گھر کے سامنے ایسا درخت لگانا، جس کا تنا تو اپنی زمین میں ہے مگر اس کی شاخیں ہمسایہ کے گھر گھس گئیں یا بڑی بڑی ٹہنیاں اور لکڑیاں راستہ کی فضا میں لٹک گئیں، عام گزرگاہ میں ایک چھپر سا بن گیا جس کے نیچے سے ساز و سامان اور گاڑیوں کا گزرنا دشوار ہے، ماسوا راہوار آدمی یا کار، موٹر سائیکل کے ایسے درخت سے متعلق حکم یہ ہے کہ مالک کو چاہئے راستہ کے حقوق کی پائمالی سے اجتناب کرے، بے پرواہی کی صورت میں گناہ گار ہوگا، لوگوں کے مطالبہ کے باوجود اگر باز نہیں آتا تو درخت کی وہ موٹی ٹہنیاں جن سے خلاصی ماسوا کاٹنے سے نہیں، تو انہیں کاٹنا درست ہے اور درخت کا مالک کسی قسم کا تاوان بھی طلب نہیں کرسکتا، البتہ باریک اور پتلی شاخیں جنہیں راستہ اور کسی کے گھر کی فضا سے ہٹا کر باندھا جاسکتا ہے انہیں کاٹا نہ جائے بلکہ مالک سے کہا جائے اپنے درخت اور بیل کی شاخیں قابو میں رکھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مالک کی موجودگی اس

وقت محنت می بری ز اللہ بو　　　چونکہ محنت رفت گوئی راہ کو

کے ضرررساں درخت کے کاٹ دینے کا فیصلہ فرمایا چنانچہ حضرت سمرہ ابن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

انه كانت له عضد من نخل في حائط رجل من الانصار، ومع الرجل اهله، فكان سمرة يدخل عليه، فتاذى به، فاتى النبي صلى الله عليه واله وسلم فذكر ذلك له، فطلب اليه النبي صلى الله عليه واله وسلم ليبيعه، فابى، فطلب ان يناقله، فابى، قال: "فهبه له ولك كذا" امرا رغبه فيه، فابى، فقال: "انت مضار" فقال للانصاري: "اذهب فاقطع نخله"۔ رواه ابو داود۔

کہ ان کا ایک کھجور کا دستہ انصاری کے باغ میں تھا، باغ کے مالک ساتھ اس کے اہل خانہ بھی تھے، تو جب حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ باغ میں جاتے تو مالک کو ان سے تکلیف ہوتی، چنانچہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور یہ معاملہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عرض کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سمرہ سے اس انصاری صحابی کے لئے مطالبہ فرمایا کہ اپنی کھجور کا دستہ انہیں بیچ دیں، تو انہوں نے انکار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا تبادلہ کر لیں وہ انکاری ہوئے فرمایا اسے ہبہ کر دو تو تمھیں اتنا اجر ہوگا اور اس کی انہیں رغبت بھی دی مگر انہوں نے انکار کیا، تب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا! تم تکلیف دینے والے ہو اور انصاری کو حکم دیا جاؤ اور ان کی کھجور کاٹ کاٹ دو۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ۳/ ۱۵۴، مکتبۃ البشریٰ کراچی)

علامہ غیاث الدین بغدادی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لو اخذت اغصان شجرة رجل هواء دار اخر فقطع رب الدار الاغصان فان كانت الاغصان يمكن صاحبها ان يشدها و يفرغ هواء داره ضمن القاطع وان لم يمكن شدها بان كانت غلاظا لا يضمن اذا قطع من موضع لو رفع الى الحاكم امر بالقطع من ذالك الموضع من كتاب الحيطان من الخلاصة۔

اگر ایک آدمی کے درخت کی شاخیں دوسرے آدمی کے گھر کی فضا میں داخل ہو گئیں پھر اس گھر والے نے ٹہنیاں کاٹ ڈالیں تو (اس سے متعلق تفصیل یہ ہے) کہ اگر شاخیں ایسی (نرم) تھیں جنہیں باندھنے سے ہمسایہ کے گھر کی فضا خالی ہو سکتی تھی تو پھر کاٹنے والا نقصان کا تاوان دے گا اور اگر ٹہنیاں

اس قدر موٹی تھیں کہ انہیں باندھنا ممکن نہیں تھا تو پھر کاٹنے کی صورت میں ضمان نہیں ، اگر حاکم کے پاس یہ معاملہ لایا جائے تو وہ بھی کاٹنے کا حکم جاری کرے گا۔

(مجمع الضمانات ، ۲۷۷، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۶) عام راستہ اور گلی کی فضا میں چھت ڈال کر اس کے اوپر کاروبار یا کسی بھی استعمال کے لئے کمرہ تعمیر کرنا ایسے ہے جس طرح کہ عام راستہ اور گلی کے بیچ میں مکان تعمیر کرنا، جب راستہ کے وسط میں مسجد تعمیر نہیں کر سکتے تو ذاتی ضرورت کے لئے گلی کی فضا میں کمرہ کیسے تعمیر کر سکتے ہیں واضح ہے منہدم کیا جائے گا، فقہاء نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے" الطریق کالاحباس للمسلمین فلیس لاحد ان یتصرف فیھا تصرفا یغیر وضعھا" یعنی راستہ ،مسلمانوں کے لئے وقف کی مثل ہے، کسی کو بھی اس میں تصرف کا اذن نہیں ماسوا اس کے مقاصد کے۔

(۷) راستوں اور گلیوں کی فضا میں پُل تعمیر کرنے سے متعلق عامۃ الناس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ جابجا شاہراہوں اور عام گزرگاہوں پر از خود کسی بھی نوعیت کا پُل نہیں بنا سکتے ، بنانے کی صورت میں اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو اس کا تاوان پُل بنانے والوں پر ہوگا، البتہ حاکم وقت نے جس محکمہ کو یہ امور تفویض کئے ہوں، اس محکمہ کے باختیار صاحبان لوگوں کی مصلحت اور ضرورت کے پیش نظر جہاں مناسب خیال کریں وہاں شاہراہوں اور عام گزرگاہوں کے اوپر پُل بنوا سکتے ہیں، اس کی واضح صورتیں جہاں لوگوں کا ہر وقت سڑک سے آمدورفت کا ایک ہجوم کی صورت میں تانا لگا رہتا ہے، اسی باعث ٹرائفک رکنے کی وجہ سے میلوں لمبی قطاریں لگی ہوئی نظر آتی ہیں ، پھر اس کے انجام میں سارا دن ٹرائفک جام رہتی ہے، ایسے مقامات پر جانی حادثات بھی کثرت سے دید و شنید میں آتے ہیں ، تو پھر اس کا ایک ہی حل ہے ایسے مقامات پر ایک اونچا پُل بنا دیا جائے تاکہ لوگ پُل سے ہو کر گزریں اور ٹرائفک کی روانی بحال رہے، موٹر ویز، ریلویز کی پُلیں اور اوور فلائی سے متعلق بھی جواز ہے، چونکہ فقہاء کرام نے ایک مسلمہ ضابطہ بیان کیا ہے" الضرورات تبیح المحظورات" ضرورتوں کے تحت ممنوع میں بھی جواز ہے۔

نیز حاکم وقت کے اذن سے تعمیر اور نصب کیے جانے والے پُل سے متعلق فقہاء کرام کی ذیلی مندرجہ تصریحات سے باخوبی استدلال ممکن ہے، چونکہ جب اذن سلطان سے طریق نافذہ پر کنواں وغیرہ کھودنا مسلمانوں کی مصلحت کے لئے درست ہے اور اس کی وجہ سے ہونے والے نقصان کا تاوان بھی

نہیں ،توطریق نافذہ کی فضا سے متعلق بھی بعینہ عام گزرگاہ کا حکم ہوگا لہذا بادشاہ کی اجازت سے مسلمانوں کی مصلحت کے لئے پُل کی تعمیر وتنصیب جائز ہے۔

علامہ علاء الدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وقالوافیمن حفربئرافی سوق العامۃ لمصلحۃ المسلمین فوقع فیھاانسان ومات انہ ان کان الحفرباذن السلطان لایضمن وان کان بغیر اذنہ یضمن

اورائمہ نے اس شخص سے متعلق یہ فرمایا ''جس نے مسلمانوں کی مصلحت کے لئے عام بازار میں کنواں کھودااوراس میں کوئی آدمی گرکرہلاک ہوگیاتواگرکنواں بادشاہ کی اجازت سے کھوداتھاتو (کنواں کھودنے والے پرنقصان کا) تاوان نہیں اوراگربلااذن کھوداتوپھرتاوان دے گا۔ (بدائع الصنائع،۶/۲۴۱،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ عبدالرحمن المدعوشیخ زادہ رحمۃ اللہ علیہ،علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(فان فعل شیئامن ذلک باذنہ) ای باذن الامام (فلاضمان) لانہ غیر متعد حیث فعل بامر من لہ الولایۃ فی حقوق العامۃ۔۔۔لان التدبیر فیمایکون للعامۃ للامام، لکن انمایجوز الاذن اذالم یضر بالعامۃ ثم ھذافی اسواق الکوفۃ وامافی بلادنافالسوق لاصحاب الحوانیت فلایکون لاذنہ فائدۃ وقیل الاذن یستقیم لو فیہ طریق نافذ لانہ حینئذ ایکون تدبیرہ للسلطان

اگر (کوئی آدمی راستہ میں کنواں کھودنے جیسے امور) امام کے اذن سے کرے توپھرضمان نہیں کیونکہ جسے حقوقِ عامہ کی ولایت حاصل ہے اس کے اذن کی (صورت میں) تصرفِ بے جا کرنے والانہیں ہوگا۔۔۔کیونکہ بندوبستِ عامہ، امام (یاحاکم،اس کے نائب کے) سپردہوتاہے،لیکن امام کا (راستہ وغیرہ پرکنواں یاگڑھاکھودنے کا) اذن اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ لوگوں کواس سے ضررنہ ہو،پھریہ ''کوفہ'' کی شہر (بازاروں) سے متعلق ہے اورچونکہ ہمارے شہروں میں بازاردکانداروں کی ملکیت ہیں،لہذاایسے (شہروں میں حاکم کے اذن کاکوئی) فائدہ نہیں اوریہ بھی کہاگیاہے ''کہ بادشاہ کااذن نافذراستہ میں معتبرہوگاکیونکہ اس وقت اس کی پالیسی بادشاہ کے سپردہوگی۔ (مجمع الانھر ومعہ الدررالمنتقی،۴/۳۶۲)

شیخ الاسلام علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

۔۔۔واذافعلہ بامرالسلطان لایکون متعدیافی ھذاالتسبب فلایکون ضامنا

بادشاہ کے اذن سے (اگر کوئی انسان عام گزرگاہ پر کنواں یا گڑھا کھودے تو) وہ سبب ہونے میں متعدی نہیں ہوگا اور وہ نقصان کا تاوان بھی ادا نہیں کرے گا (المبسوط، ۲۷/۲۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۸-۹-۱۰) پتنگ کی ڈور پکڑنے والا خواہ اپنے مکان کی چھت پر ہو مگر ملک غیر اور گزرگاہوں کی فضا میں ڈور جا کر کے جس کے گلے پر پھرے گی تو دیت ڈور پکڑنے والے کے عاقلہ پر ہوگی، پتنگ کی ڈور سے وفات کے علاوہ بھی جو نقصان ہوگا اس کا تاوان بھی دینا ہوگا، یہ حکم فقط ڈور کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جہاں بھی تعدی کی صورت میں دوسرے کا نقصان ہوگا تو تصرف بے جا کرنے والے پر تاوان لازم ہوگا، اگر کسی نے سوت اور چارپائی کا بان راستوں پر تان لیا تو ان سے متعلق بھی پتنگ کی ڈور سے ہونے والے نقصان کا حکم ہوگا۔

(۱۱) دیوارِ کج سے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر دیوار تعمیر اپنے پلاٹ میں کی مگر دوران تعمیر یا دیر بعد دیوار گلی اور راستہ کی فضا میں یا ہمسایہ کے صحن کی فضا کی طرف جھک ہوگئی، لوگوں نے دیوار کے مالک سے دیوار گرانے اور سیدھا کرنے کا تقاضا کیا مگر اس نے دیوار منہدم نہ کی اور اتنا وقت گزر گیا کہ جس میں انہدام ممکن تھا، بعد میں دیوار گر گئی اور گلی سے گزرنے والے لوگ اس کے نیچے دب کر ہلاک ہوگئے یا ہمسایہ کے صحن کی فضا میں جھکی ہوئی دیوار ہمسایہ پر گر گئی اور اس کا جانی اور مالی نقصان ہوگیا۔

تو ایسے واقعات کے پیش نظر دیوار کے مالک پر نقصان کا تاوان ہوگا اور جانوں کی ہلاکت کی صورت میں اس کے عاقلہ پر دیت ہوگی۔

شیخ الاسلام علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فان کان بناه فی الاصل مائلا الی الطریق، فهو ضامن لمن یسقط علیه، لانه متعد فی شغل هواء الطریق ببنائه، وهواء الطریق کاصل الطریق حق المارة، فمن احدث فیه شیئا کان متعدیا ضامنا،

اگر (دیوار کا) شروع سے راستہ کی طرف میلان تھا تو پھر جس پر دیوار گرے گی (اس ہونے والے نقصان کا) تاوان دیوار والا ادا کرے گا کیونکہ دیوار بنانے والا راستہ کی فضا مصروف کرنے کی وجہ متعدی ہے اور راستہ کی فضا، اصل راستہ کی مثل ہے گزرنے والے کے حق، لہذا اگر کسی نے فضا میں کوئی (نقصان دہ چیز) پیدا کی تو وہ تصرف بے جا کی وجہ سے نقصان کا تاوان دے گا (مبسوط، ۲۷/۱۰، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

گرنے والی دیوار سے متعلق "الموسوعۃ الفقہیہ" میں ائمہ اربعہ کے فرامین درج ذیل ہیں:

مصیبت کے وقت تو اللہ کا پتہ لگا لیتا ہے، جب وہ ختم ہوئی تو کہتا ہے راستہ کدھر ہے

قال الحنفية و المالكية ان سقط البناء في هذه الحال ،فاتلف انسانا او حيوانااو مالا ، كان ذلك مضمونا على صاحبه مطلقامن غير تفصيل ،ومن غير اشهاد ولا طلب ،لان في البناء تعديا ظاهرا ثابتا منذ الابتداء و ذالك بشغل هواء الطريق بالبناء ،وهواء الطريق كاصل الطريق حق المارة ،فمن احدث فيه شيئا ،كان متعديا ضامنا ـ و الشافعية لا يفرقون في الضمان ،بين ان ياذن الامام في الاشراع اولا ،لان الانتفاع بالشارع مشروط بسلامة العاقبة،بان لا يضر بالمارة ،وما تولد منه مضمون،وان كان اشراعا جائزا ـلكن ما تولد من الجناح ،في درب منسد ،بغير اذن اهله،مضمون ،و باذنهم لا ضمان فيه ـوقال الحنابلة :واذا بنى في ملكه حائطا مائلا الى الطريق ، او الى ملك غيره ،فتلف به شيءاو سقط على شيء فاتلفه ضمنه ،لانه متعد بذالك ،فانه ليس له الانتفاع بالبناء في هواء ملك غيره ،او هواء مشترك ،ولانه يعرضه للوقوع على غيره في غير ملكه،فاشبه مالو نصب فيه منجلا يصيد به

احناف اور مالکیوں نے یہ کہا'' عمارت اس حالت میں گر جائے اور کسی انسان یا جانور، مال کو تلف کر دے تو بلا تفصیل مطلقا دیوار کے مالک پر نقصان کا تاوان ہوگا ،اس میں اشہاد اور طلب کی حاجت نہیں ،کیونکہ عمارت میں ظاہری طور پر تعدی شروع سے ثابت ہے،اور یہ تعمیر کے ذریعہ راستہ کی فضا کو مصروف رکھنا ہے ،اور راستہ کی فضاء گزرنے والوں کے حق میں اصل راستہ کی طرح ہے ،لہذا اس میں اگر کوئی شخص کوئی چیز بنائے گا تو وہ تعدی کرنے والا ، ضامن ہوگا ـ

اور شافعیہ ضمان سے متعلق تفریق نہیں کرتے ہیں کہ امام کی اجازت سے کھولا ہو یا اجازت کے بغیر ،کیونکہ راستہ سے انتفاع انجام کی سلامتی کے ساتھ مشروع ہے ،بایں طور کہ گزرنے والوں کو نقصان نہ پہنچے ،اور جو اس سے پیدا ہو اس کا ضمان ہوگا ،اگر چہ جائز کھولنا ہو ،لیکن بند گلی میں گلی والوں کی اجازت کے بغیر جو چھجہ بنے گا اس کا ضمان ہوگا ،اور ان کی اجازت کی صورت میں اس میں تاوان نہیں ہوگا ـ

حنابلہ کا یہ قول ہے : کہ اگر اپنی ملکیت میں ایسی دیوار بنائے جو راستہ کی طرف یا دوسرے کی ملکیت کی طرف مائل ہوئی ہو اور اس کی وجہ سے کوئی چیز ضائع ہو جائے ، یا وہ کسی چیز پر واقع ہو جائے اور اسے تلف کر دے تو اس کے نقصان کا تاوان دے گا ،کیونکہ وہ اس کی وجہ سے تصرف بے جا کرنے والا ہے ،اسے دوسرے کی ملکیت کی فضاء یا مشترک فضاء میں تعمیر کے ذریعہ نفع اٹھانے کا حق نہیں ہے ،اور اس لئے کہ اس نے اسے اپنی ملکیت سے باہر دوسرے پر واقع ہونے کے لئے بنایا ہے ، یہ اس

کی مثل ہوگا کہ اگر اس میں درانتی نصب کرے تا کہ اس کے ذریعہ شکار کرے۔

(الموسوعة الفقهية، ۲۸/۲۸۵، امیر حمزہ کتب خانہ کوئٹہ)

(۱۴) راستہ کی فضامیں روشن دان، چھجا، پرنالہ اور دوسری منزل کسی فنی حربہ سے کچھ فضامیں نکال لینا، یہ اشیاء اگر کسی پر واقع ہوجائیں اور جس پر گریں وہ ہلاک ہوجائے تو ان اشیاء کے نصب کرنے والے کے عاقلہ پر دیت ہوگی۔

علامہ برہان الدین مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---واذا اشرع فی الطریق روشنا او میزابا او نحوہ فسقط علی انسان فعطب فالدیۃ علی عاقلتہ لانہ مسبب لتلفہ متعد بشغلہ ہواء الطریق وھذا من اسباب الضمان وھو الاصل و کذالک اذا سقط شیء مما ذکرنا فی اول الباب

اور جب کہ نکالا راستہ میں روشن یا پرنالہ یا اس کی مثل پس وہ کسی انسان پر گر گیا پس وہ ہلاک ہوگیا تو دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی اس لئے کہ وہ اس کے تلف ہونے کا سبب ہے متعدی ہے اس کے مشغول کرنے کی وجہ سے راستہ کی فضا کو اور یہ ضمان کے اسباب میں سے ہے اور یہی قاعدہ کلیہ ہے۔اور ایسے ہی جب ان چیزوں میں سے کوئی چیز گر گئی جن کو ہم اول باب میں ذکر کر چکے ہیں۔(ہدایہ، ۴/۵۹۵، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

جاری۔

الدر الثمین

فی فضل الصلوۃ والسلام علی

النبی الامین

تالیف وترتیب علامہ محمد عبد السلام

ناشر: خانقاہ سلطانیہ ☆ گلشنِ عظیم جہلم

محبوب کا حسن ہی عاشقوں کا مدرس بن گیا ہے۔ان کی کتاب اور درس اور سبق اس کا چہرہ ہوتا ہے

فنِ تدریس ایک تحقیقی مطالعہ

منہجِ نبوی کی روشنی میں

نبیلہ ممتاز

تدریس کا لغوی مفہوم

تدریس لفظ ''درس'' سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں ''سبق'' عام طور پر اس سے مراد پڑھانے کا عمل لیا جاتا ہے۔

بی۔او سمتھ (۱) کے مطابق تدریس سے مراد کسی فرد کو باقاعدہ طریقے سے معلومات مہیا کرنا ہے اسے کسی کام کو سرانجام دینے میں رہنمائی مہیا کرنا یا واضح الفاظ میں کسی مضمون میں کوئی سبق پڑھانا شامل ہے۔

کسی گروہ کے تجربہ کار اراکین اپنے تجربہ کار ساتھیوں کو زندگی میں مطابقت پیدا کرنے کے لئے جو رہنمائی کا طریقہ کار اختیار کرتے ہیں۔ اسے تدریس کہتے ہیں۔

تدریس ہر وہ عمل ہے جو استاد کمرہ جماعت اور اس کے باہر سرانجام دے اور وہ متعلم پر اثر انداز ہو۔

درس و تدریس میں کیا حکمت ہے اس سلسلے میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی رقم طراز ہیں حکمت سے مراد یہ ہے کہ بیوقوفوں کی طرح اندھا دھند تعلیم نہ دی جائے بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت استعداد و حالات کو سمجھ کر نیز موقع محل کو دیکھ کر بات کی جائے ہر طرح کے لوگوں کو ایک ہی طرح سے نہ ہانکا جائے۔ جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے تو پہلے اس کے مرض کی تشخیص کی

Scanned with CamScanner

جائے پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس کے مرض کی جڑ نکال سکے۔ (۲)

اصطلاحی مفہوم

تدریس کے معنی ہیں درس دینا، بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا یا مختلف علوم وفنون میں قیادت پیدا کرنا تدریس کے ذریعے معلم ایک تدریج سے بچوں کو طرح طرح کی معلومات فراہم کرتا ہے انہیں مختلف باتیں جاننے سیکھنے یاد کرنے کا موقع دیتا ہے۔ اور مستقبل کی زندگی کے لئے انہیں تیار کرتا ہے۔ تدریس کا کام اس وقت انجام پاتا ہے۔

۱) جب کوئی سیکھنے والا ہو۔ (بچہ)

۲) کوئی سکھانے والا ہو۔ (معلم)

۳) کوئی چیز جو سکھائی جائے۔ (مضامین کا مواد)

تدریس کے ذریعے معلم بچے اور مضامین کے مواد میں ربط قائم کراتا ہے۔ کار تدریس اور دوسرے پیشوں میں بڑا فرق ہے۔ سنار، بڑھئی، لوہار وغیرہ کو اپنے پیشے کے سلسلے میں ایسی چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ جو بے جان ہوتی ہیں جن کا اپنا کوئی ارادہ نہیں ہوتا یہ خام اشیاء پورے طور پر ان کے تصرف میں ہوتی ہیں۔ وہ اپنی فنی مہارت کا جس طرح چاہے مظاہرہ کریں۔ یہ اشیاء کوئی مزاحمت نہیں کر سکتیں چنانچہ وہ کھٹ کھٹ کئے جائیں تو کچھ نہ کچھ بن جاتا ہے۔ لیکن معلم کو ایسی زندہ جاوید ہستی (بچے) سے سابقہ پیش آتا ہے۔ جو صاحب ارادہ ہوتی ہے جس کی اپنی خواہشات اور دلچسپیاں ہوتی ہیں اگر اس کی آمادگی اور دلچسپی یا اس کا ارادہ، توجہ اور خواہش شامل حال نہ ہو یا اس کی عمر، فہم اور سابقہ معلومات کا لحاظ نہ کیا جائے تو معلم کی لاکھ کوششوں کا نتیجہ لا حاصل ہوگا اور وہ گھنٹوں سر مارتا رہے تو کوئی کامیابی نہ ہوگی۔ (۳)

عمل تعلیم کے مختلف عناصر کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے، لیکن فن تدریس میں اسلامی نظام

قرب کے لئے اوپر یا نیچے جانا نہیں ہے، اللہ کا قرب وجود کی قید سے چھوٹنا ہے۔

تعلیم کے حوالے سے معلم اور اس کی حکمت تدریس کو مرکزی اور محوری حیثیت حاصل ہے۔

The word teaching is used in various ways, and definition often lead to or underlie controversial discussions in pedagogical circles. The unpacking of various definition of teaching would be an interesting undertaking. Here, an attempt is made to undercut conventional definition by developing a descriptive rather than a normative concept of teaching and to distinguish it from other concepts with which it is often confused.

Three uses of the word teaching are found in ordinary discourse First, it is used to refer to that which is taught , as a doctrine or body of knowledge. In the expression "the teachings of Islam" reference is made to a boby of ideas or a system of beliefs. Second teaching is used to reffer to an account or a profession .....the profession of one who instructs or educates. Third, teaching is used to refer to ways of making something known to other, usually in the routine of school.

We are concerned here with the third use and shall disregard the first two altogether. Teaching in this sense has been defined in the following ways:

Teaching in an arrangement and manipulation of a situation in which there are gaps or obstruction which an individual will seek to overcome and from which he will learn in the course of doing so. Teaching is an intimate contact between a more mature personality and a less mature one which is designed to further the education of the latter.(٤(

Teaching is impartation of knowledge to an individual by another in a school.(٥(

Teaching may be characterized as an activity aimed at the achievement of learning and practiced such manner as to respect the

Scanned with CamScanner

student's intellectual integrity and capacity for independent judgment. Such a characterisation is important for at least two reasons: First, it brings out the intentional nature of teaching ______ the fact that teaching is a distinctive goal oriented activity rather than a patterned sequence of behavioral step executed by the teacher, Second, it differentiates the activity of teaching from such other activities as propagandising , conditioning , suggesting and indoctrinating, which are aimed at modifying the person but strive at all costs to avoid a genuine engagement of his judgment on underlying issues.)٦(

In Islamic thought, teaching is the main component of the education system. There is no knowledge without teaching and no Islam without knowledge. Knowledge is a prerequisite for being a Muslim. This makes teaching (propagation of knowledge) a sacred duty on the part of those who know. A teacher is a bearer of knowledge. It was to emphasis this point that the Prophet(peace be upon him) said:"Verily! I was not sent but as a teacher."(٧)

He was the teacher for all times. He taught people the Qur'an and the wisdom it contained and made them virtuous.(٨(

When God entered into a covenant with those to whom scriptures had been given, He Said:"You shall Surely make it known to mankind and not hide it) ٩(meaning thereby that teaching was incumbent upon them.

Teaching in Islam

Teaching according to the Islamic concept is a calling of the prophet. It is certainly an honorable activity, as opposed to an activity which is merely useful. The value of an honourable activity is that it is self- contained. The Muslim tradition bestows great respect upon the teacher. In fact, teaching was considered to be an act of worship performed to please God. Thus, even during the period of Muslim

decadence. men of wealth and position considered it a duty to spare some of their time for teaching a few students.)۱۰(

Ghazali believes that to teach is to worship. He who pursues learning in order to make money, attain social position, escape his obligations towards the Sultan or for the sake of any other ambition save that of serving God exposes himself to dire consequences.

Teaching and teacher have a pious central position in Islamic thought. The Prophet Muhammad (peace be upon him) himself has been granted the name of teacher in the Qur'an by Allah.

As matter of fact, it is the great favour of Allah to the believers that He has raised up in their midst from among themselves a messenger who recites to them His revelations, Purifies their lives and teaches them the Book and wisdom, though before this these very people had been in manifest error.(۱۱(

It is He who has sent amongst the unlettered an apostle from among themselves to rehearse to them His signs to sanctify them and to instruct them in scripture and wisdom.(۱۲(

Many saying of the Prophet (PBUH)also reflect the sanctity of this job For Instance:

Do not wish to be like anyone except in two cases: the first [is] a person who Allah has given wealth and he spends it righteously; [the Second is] the one whom Allah has give wisdom] the Qur'an] and he acts according to it and teaches it to others.(۱۳(

Learn the necessary doctrines and the Qur'an and teach[them to] the people, for I am a mortal(Tirmidhi).)۱۴(

I have been sent as a teacher.(۱۵(

It is not wise for a person who has been gifted with a part of the

[religious] knowledge to ruin himself by abstaining from teaching it to others.(۱۶(

The most generous man among them after me will be a man who acquire learning and disseminate it.)۱۷(

ہمارے ہاں تدریسی عمل ایک بے جان اور میکانکی عمل کا نام نہیں۔ یہاں تو استاد کو نہایت ارفع و اعلیٰ مقام حاصل ہے وہ ایک مقدس روحانی احساس کی مانند انسان کی باقی تمام چیزون پر حاوی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ کا انتہائی مختصر لیکن مفہوم کے لحاظ سے جواب یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق تو عین قرآن ہے۔ گویا معلم انسانیت محض نصاب (قرآن حکیم) کی تفہیم ہی نہیں فرما رہے تھے بلکہ خود اس نصاب کا عملی پیکر بھی تھے۔ یہی وہ نکتہ ہے جو ایک مسلم سوسائٹی کو استاد کو پورے تعلیمی عمل کا انتہائی موثر اور کارگر جزو بنا دیتا ہے۔(۱۸)

حکمت تدریس سے مراد صرف (Teaching Methodology) نہیں ہے بلکہ وہ حکمت یا دانائی ہے جس سے معلم اپنے متعلمین کو مطمئن کر کے اپنا طرز فکر او رزندگی میں طرز عمل تبدیل کرنے پر آمادہ کرے۔ ظاہر ہے کہ اس میں مختلف تدریسی طریقے استعمال ہوں گے۔ اور ان کا اپنا بھی مقام ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ تدریس میں پڑھانے والے یعنی استاد کو ایک ارفع اور اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ معلم ایک مقدس اور روحانی احساس کی مانند تعلیمی عمل کی باقی تمام چیزوں پر حاوی ہے اسے ہم اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا معلم مقاصد تعلیم اور نصاب تعلیم کے پہلو بہ پہلو محض ایک تیسری اکائی کا درجہ نہیں رکھتا بلکہ وہ خود ایسے فکر و عمل کا حامل ہوتا ہے جس میں مطلوبہ مقاصد کا رنگ جھلکتا ہے اور نصاب کی خوشبو رچی بسی ہوتی ہے۔(۱۹)

فن تدریس چند رہنما اصول

استاد کے بارے میں بالعموم تین حیثیات بڑی اہمیت کی حامل ہیں ایک اس کی صاحب علم کی حیثیت، دوسرے طریق تدریس کے ماہر کی حیثیت سے تیسرے منفرد شخصیت کی حیثیت سے ماہر مضمون کی حیثیت سے ایک اچھے استاد کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ نفس مضمون پر عبور رکھتا ہو اور

ایک وسیع المطالعہ اسکالر شخص ہو اس کے لیے طریقہ ہائے تدریس میں مہارت ضروری نہیں۔ اس نقطہ نظر کے فلسفیوں کا خیال ہے کہ اگر معلم اپنے مضمون کا علم رکھتا ہو اور اس مضمون کے بارے میں اس کے پاس ضروری صلاحیت (Scholership) ہے تو یہ اس بات کی ضمانت ہے کہ اس کی تدریس بھی موثر ہوگی عام طور پر کالجوں، یونیورسٹیوں کی سطح پر اسی نظریے کی حکمرانی ہے۔ استاد کی دوسری حیثیت فن تدریس (Pedagogical Expert) کی ہے۔ اس نقطہ نظر کے حامل اس اصول کو نہیں مانتے کہ محض صاحب علم ہونا موثر تدریس کی علامت ہے۔ ان کے نزدیک علم رکھنا ایک بات ہے اور علم کو منتقل کرنا دوسری بات چنانچہ وہ ضروری خیال کرتے ہیں کہ فن تدریس میں میکانکی مہارت بھی ضروری ہے۔ اس فکر کے حامل بعض فلسفی تو تربیت اساتذہ کے نصابات میں نفس مضمون کے مقابلے میں درس و تدریس کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ البتہ اس مکتبہ فکر کے حامل اساتذہ کی متوازن رائے یہی ہے کہ نفس مضمون پر عبور (Excellence) اور طریقہ تدریس میں مہارت (Competence) دونوں ضروری ہیں۔ استاد کی تیسری حیثیت اس کی منفرد شخصیت (Unique Personality) کے حوالے سے ہے۔ اس مکتبہ فکر کے حامل فلسفیوں کے نزدیک ہر چند ایک استاد کا نفس مضمون اور طریقہ تدریس پر عبور ضروری ہے لیکن استاد کا اپنا ذاتی تشخص بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ استاد کی انفرادیت اور شخصی عادات و اوصاف کو مؤثر تدریس سے الگ نہیں رکھا جا سکتا۔ استاد کی شخصیت، طلبہ کی تعلیم و تربیت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ (۲۰)

تدریس سائنس یا آرٹ

موثر تدریس کو ایک وحدت کے طور پر لیا جانا چاہیے یعنی استاد اپنے تدریسی عمل (Teaching Proces) میں سائنس کے تجربات و نظریات اور نفسیات و تعلیمات کی تحقیقات سے ضرور استفادہ کرے لیکن آرٹ چونکہ کلیت اور جامعیت کا متقاضی ہے۔ اور انسانی زندگی کے معنی اور داخلی پہلو سے بحث کرتا ہے۔ اس لیے استاد کے پیش نظر، انسانیاتی، ادبی اور تہذیبی تناظر بھی رہنا چاہیے۔ بلکہ طلبہ کی ہمہ گیر نشوونما کے لیے فوقیت اسی تہذیبی شعور اور مقصد حیات کو ہی دینا چاہیے۔ جس سے انسانیت آموزی اور انسان سازی کے متن کی تکمیل ممکن ہوتی ہے۔ بہر حال تدریسی

Scanned with CamScanner

عمل میں سائنس اور آرٹ دونوں کی اپنی اپنی جگہ اہمیت اور افادیت ہے لیکن دونوں کے مزاج طریقہ کار اور اسلوب میں درج ذیل نکات کے حوالے سے فرق ہے:

تدریس ایک سائنس ہے جب استاد اپنے طریقہ تدریس کو عقل و تجربہ کی بنیاد پر مرتب کرتا ہے اور یوں متعین لوازمہ علم (Prescribed Contant) کو میکانکی (Mechanical)، ریاضیاتی (Methematical) تجربی (Empirical) تعلیم تدریس، بحث مسائل استقرائی (Inductive) اور معروضی (Objective) حوالے سے بیان کرتا ہے۔ یوں یہ عمل مشینی اور میکانکی ہونے کی بناء پر ترسیل معلومات کی حد تک تو مفید ہوتا ہے لیکن انسانی جذبات و احساسات سے بالکل عاری ہوتا ہے۔ لیکن تدریس ایک آرٹ بھی ہے جب استاد تدریس کی سائنسی میکانیت میں اپنی زندگی شخصیت کو شریک (Involve) کرتا ہے اور طلبہ کے لطیف جذبات و احساسات (Subtle Feelings) اور ان کی جائز خواہشات اور دلچسپیوں کو اہمیت دیتا ہے اس مقصد کے لیے استاد کا فنی اسلوب (Artistic) وجدانی (Intultive) جذباتی (motive) استخراجی (Deductive) موضوعی (Subjective) روحانی تحرک (Inspiration) اور ادبی (Literary) حکمت تدریس کا تقاضا کرتا ہے۔ یوں استاد کی تدریس کا سائنسی اور مشینی پہلو اس کا تدریسی طریقہ (Teaching Method) ہے۔ جس کے لیے باقاعدہ سبقی منصوبہ بندی (Lesson Planning) کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اسلوب تدریس اپنا نظام العمل (Time Table) از خود بنا لیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں طریقہ تدریس کسی حد تک آورد ہے اور اسلوب تدریس، آمد ہے۔ بہر حال طریقہ و اسلوب کی متناسب ہم آہنگی (Harmony) ہی موثر تدریس کی ضامن ہے۔

تدریس کی سائنسی حیثیت مسلمہ ہے، کیونکہ وہ باضابطہ اور منظم اصولوں کی روشنی میں ترتیب پاتی ہے۔ استاد ان ریاضیاتی اور فنی فارمولوں کی اساس پر اپنے تدریسی طریقے کی تشکیل کر کے طلبہ کو متعلقہ معلومات (Information) اور مہارات (Skills) منتقل کرتا ہے۔

بلاشبہ ان مہارات اور معلومات کی اہمیت ہے لیکن تعلیم تو حقیقت میں انسانی جسم و ذہن اور روح کی جامع اور متوازن نشونمائی (Harmonious Development) کا نام ہے۔ جس

Scanned with CamScanner

کا اہم نصب العین انسانی شخصیت کے تمام انفرادی اور اجتماعی امور کی ہمہ جہت (Multi Dimenstional) تیاری ہے۔ اس حوالے سے تعلیم کا کلیدی ہدف انسان سازی ہے۔ اس ہدف کی تکمیل کے لیے استاد کا ذاتی منفرد تشخص اور جمالیاتی اسلوب (Aesthetic Style) ہے یعنی اعلیٰ مذہبی اقدار، مقصد اعلیٰ اور ادبیات عالیہ سے گہری وابستگی ہی اس کی وہ اہم قوت ہوتی ہے جس سے وہ دلوں کو فتح کرتا ہے۔

سائنس علم کو جزوی (Partial) انداز میں تنظیم کرتی ہے اس حوالے سے تدریس ایک ایسی سائنس ہے جو اس بنیادی نکتہ سے بحث کرتی ہے کہ وہ تدریسی ٹیکنالوجی کے ذریعہ مختلف اجزاء اور ماڈیولز (Modules) کی صورت میں طے شدہ لوازمہ کو کس خوبی سے طلبہ تک منتقل کرے کہ وہ ان کے دماغوں میں راسخ ہو جائیں۔ سائنس حقیقت میں خارجی تبدیلی اور باہر کے طبعی انسان کو پیش نظر رکھتی ہے اور اس طرح نفس مضمون کی مناسبت سے انہیں ماہر کارکن (Skilled Worker) کے طور پر سدھارتی ہے۔ اس کے برعکس آرٹ خارج میں تبدیلی کے خلاف نہیں لیکن وہ خارجی تبدیلی سے پہلے داخلی تبدیلی کا قائل ہے۔ اس طرح وہ علم کو کلی طور پر (Tottaly) منظم کرتا ہے اور زندگی کے بارے میں ایک آفاقی نقطہ نظر سے (Cosmic Vision) مرتب کرتا ہے۔

خلاصہ کے طور پر سائنس ہمیں خارجی کائنات کا علم دیتی ہے آرٹ ہمیں داخلی کیفیات ذہنی سے آشنا کرتا ہے۔ گویا تدریسی سائنس کا پہلو معاملہ دماغ ہے۔ اور اس کا آرٹ پہلو معاملہ دل ہے۔ اس لیے موثر تدریس میں ان دونوں کا خیال رکھا جانا ضروری ہے۔ البتہ جس طرح دل کو پورے جسم میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ بالکل اسی طرح عمل تدریس میں احساسات و جذبات اور ذاتی تشخص کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ تدریس کا یہی وہ اساسی نکتہ ہے جو اسے زندہ بنا دیتا ہے ورنہ محض انتقال معلومات تو ایک تدریسی مشین بھی کر سکتی ہے۔ (۲۱)

تدریس کی اہمیت

فن تدریس کو قرآن و حدیث میں بھی اہمیت حاصل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ فن تدریس کی

Scanned with CamScanner

بنیاد قرآن وحدیث ہے تو یہ غلط نہ ہوگا ہمارے نبیؐ نے قرآن سے علم سیکھا اور اسے سکھایا اور یہاں سکھانے سے مراد صرف یہی نہیں کہ قرآن کی تلاوت کر دی اور کام ختم بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے احکامات کے بارے تفصیل بیان کر کے اس کو آسان الفاظ اور مثالوں سے سمجھانا چاہیے تدریس یا Teaching کے عمل کی ہم مزید وضاحت یہاں یوں کر سکتے ہیں۔

Teaching

The teaching could not have been mere recitation otherwise Allah would not have laid it down separately.It means explanation of the text to the full satisfaction of the audiance,removal of their doubts and assurance about its practicability as well as so of the genral implication of even its ,parts. The duty of Teaching is ,hence ,more extensive then of Recitation that is why along with the book , a taecher, i.e. a messerger it sent not only to recite but also teach according to the directions of Allah.(۲۲(

اس میں کوئی شک نہیں کہ استاد کی جامعیت میں حسن بیان کا پہلو خاص اہمیت کا حامل ہے احترام ،شفقت اور حکیمانہ انداز کے ساتھ ساتھ زبان کی شگفتگی جملوں کی مناسب ساخت اور ،لہجے کا اتار چڑھاؤ یہ سب چیزیں بہت اہم ہیں گویا استاد کا کام طلبہ کی تربیت و اصلاح ،معلومات کے انتقال اور اپنے مثالی کردار کا تاثر قائم کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ ٹھوس حقائق کو بے رنگ انداز میں بیان نہ کر ڈالے بلکہ اپنی شیریں مقالی سے اپنے درس کو دلچسپ اور پر کشش بنائے۔ معلم انسانیت کی حکمت تدریس میں شیریں بیانی ایک بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔آپ نے الہامی بصیرت سے کام لیتے ہوئے تدریس کی اس حکمت عملی کو اپنایا اور جو خود خالق کائنات نے اپنی آخری الہامی کتاب میں ملحوظ رکھی۔یعنی حقائق کا اظہار،مواد کی تنظیم ،گزشتہ اقوام نیز مختلف مظاہر کائنات کی مثالیں ،روزمرہ زندگی سے متعلق رکھنے والے تشبیہات ،بلیغ استعارے اسلوب کی کشش اور اس کے ساتھ ساتھ باخبر رکھنے کے لئے وعید حقیقت میں نبی کریمؐ کا طریق دعوت وتعلیم وہی تھا جو قرآن حکیم کا تھا۔(۲۳)

☆لفظ ہبہ، تملیک اور بیع کے ساتھ نکاح منعقد ہوجاتا ہے☆

Scanned with CamScanner

Teaching

The Nature and extent of Muhammad,s Teaching

Prophet Muhammad asked the people to forget their old ways and customs and invited them to the Divine Guidance he recieved from God Him advised them to depend for all practical purposes on the Quran ,"o,prophet,we Have sent this Book to you With the Truth so that you may Judge between people in accordance with the right way which God has shown you.)۲۴(

As Muhammad education contains essential parts of previous teaching. They are advised the follow the teaching and guidance of the Quran.

O. you the whom the book has been given! believe we have sent down now confirming the book you already have with.)۲۵(

Teaching of Islam

After Holy Quran the other sources of the ordinances of God, during the lifetime of the Prophet were his precepts of Ahadith.often question arose for decision for the solution of which no direct revelation was forthcoming , or certain points had to be explained and made clear the Pronouncements made by the Prophet on all such occasions are Known as Ahadith apatite or perceps, and regarded suggested by God through expressed in his own words. While the Quran texts were God's both in language and thought.

The Prophet percepts and usages were likewise guided by God, and in the same way as the text of Quran , furnished and index of what was right and lawful. His approval or disapprovel was sometime implied from his conduct.If for instance a certain usafes or course of action was

Scanned with CamScanner

followed by th Muslim within his Knowledge, and the Prophet expressed no disapproval there of its legality was presume, similay, if the Prophet studiousy avoided a certain course of conduct it has to be presumed the disapprovad it.(٢٦(

تدریس کی اقسام (حکمت)

حکمت

لغوی مفہوم دانائی ،عقل ،حد امتیاز قائم کرنا ،مضبوط کرنا ،شے کو اصل جگہ پر رکھنا ،منع کرنا ،فیصلہ کرنا ،گھوڑے کی لگام۔

اصطلاحی مفہوم

ایسا طریق کار جو تعلیم دینے کے لئے موزوں ترین ہو۔

حکمت کے متعلق مختلف اقوال

علامہ شوکانی لکھتے ہیں؛ یہ اس خوبی کا نام ہے جس کے ذریعے انسان غیر دانشمندانہ اقدام سے بچتا ہے مزید کہتے ہیں کہ حکمت علم اور اس سے مراد معاملہ فہمی ہے۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں حکمت پختہ اور صحیح بات کو کہتے ہیں اور یہ ایسی دلیل ہے جو حق کو واضح اور شبہ کو دور کرتی ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نزدیک حکمت سے مراد صحیح بصیرت اور صحیح قوت فیصلہ ہے۔(۲۷)

حکمت تدریس

قرآن مجید اللہ کا کلام جو اس کے آخری نبی جناب محمد ﷺ پر انسانیت کی ہدایت کے لئے

Scanned with CamScanner

اتارا گیا اس کا مخاطب انسان ہے اس کو موضوع بنا کر اور اس کی فلاح کے پیش نظر اللہ تعالیٰ انبیاء علیھم السلام کے ذریعے جو وحی کا سلسلہ شروع کیا اور اپنی اکمل صورت میں خاتم النبیین محمد ﷺ پر تمام ہوا۔

ظاہر ہے کہ خالق کائنات اللہ جل جلالہ اپنی مخلوق کی ساخت ،نفسیات ،ضروریات اور اس کی خواہشات سے سب سے زیادہ واقف ہے۔ کیونکہ وہ سمیع علیم ذات ہے اور علیم ذات الصدور بھی ہے۔ اس لئے انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے جو انداز اور اسلوب قرآن مجید نے اختیار کیا ہے وہ جدید طریقہ تدریس میں بنیاد کا کام کرتا ہے۔ جو کہ مندرجہ خصوصیات کا حامل ہے۔

اسلامی حکمت تدریس کی خصوصیات

۱) تیقن۔ایمان بالغیب

سب سے پہلی بات جو قرآنی حکمت عملی میں ہمیں نظر آتی ہے وہ ان تعلیمات کا شک وشبہ سے بالاتر ہوتا ہے جن کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ مخاطب کے ذہن میں یہ بات نقش کرائی جاتی ہے۔ کہ جو کچھ بتایا جا رہا ہے ایک تو اس پر ایمان بالغیب لا نا ہے اور دوسرا یہ ہدایت و رہنمائی صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو خدا سے ڈرنے والے متقین ہیں۔ چنانچہ آغاز کلام ہی ان الفاظ سے ہوتا ہے :

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ (۲۸)

’’یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہدایت ان پرہیزگاروں کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔اور جو کتاب آپ پر نازل کی گئی ہے اور جو کتابیں آپ سے پہلے نازل کی گئی ہیں (ان پر ایمان لاتے ہیں)اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں‘‘۔

یعنی ہدایت ایک ایسی کتاب سے ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔ جو ہر قسم کے شک سے پاک ہو یہی وجہ ہے کہ کتاب کی تعلیمات پر عمل تب ہی ممکن تھا۔ جب اس کے برحق ہونے کا یقین کامل

Scanned with CamScanner

ہوتا لہٰذا اس سے قرآنی آیات سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ حکمت تدریس میں بنیادی بات یہ ہے پڑھنے اور پڑھانے والوں کو اس تعلیم پر یقین کامل ہوااور استاد انتہائی فرض کے ساتھ اپنی بات کو نا صرف طلبہ تک پہنچا رہا ہو بلکہ انہیں اس پر عمل کے لئے آمادہ و تیار کر رہا ہو۔

یعنی طلبہ کو اساتذہ پر اعتماد ہو کہ وہ ان کے حق میں مخلص ہیں اور ان کی بہتری چاہتے ہیں اور اساتذہ کے ساتھ ان تعلیمات پر بھی اعتماد ہو جو اساتذہ پیش کر رہے ہیں۔

۲) آمادگی

قرآن مجید میں جا بجا ایسے حالات و واقعات پیش کئے گئے ہیں جن سے سامعین اور مخاطبین میں پہلے آمادگی پیدا کی جاتی ہے۔تا کہ وہ سننے پر آمادہ ہوں۔انسانی نفسیات کو خالق کائنات سے زیادہ کون جانتا ہے۔اس لئے انسانی نفسیات کے اس اصول کو ہم قرآن مجید میں جا بجا استعمال ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔

تدریس کا عمل اس وقت تک سود مند ثابت نہیں ہوتا جب تک مخاطب کوئی چیز دل و جان سے ماننے اور عمل کرنے کے لئے تیار نہ ہو اس لئے استاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچوں کو پہلے سبق کے لئے آمادہ کرے۔

اس کی بہت عمدہ مثال ہمیں اس واقعہ سے ملتی ہے جب دو نوجوان قیدی اپنے اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے کے لئے قید خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آتے ہیں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر نہایت خوبصورت انداز میں حضرت یوسف علیہ السلام انہیں توحید کی دعوت پیش کرتے ہیں۔

یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ ءَاَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَیۡرٌ اَمِ اللّٰہُ الۡوَاحِدُ الۡقَہَّارُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلَّاۤ اَسۡمَآءً سَمَّیۡتُمُوۡہَاۤ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُکُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بِہَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ (۲۹)

"زندان کے ساتھیو! تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو

☆امام اعظم کے نزدیک مجاز لفظ کے حق میں حقیقت کا نائب ہے☆

سب پر غالب ہے اس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لئے ہیں ۔اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نہیں اتاری فرمانروائی کا اختیار اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو یہی سیدھا راستہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

ان آیات قرآنی سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ مخاطب کو دلچسپی اور توجہ کو مدنظر رکھ کر اور موقع محل کے مطابق اپنی بات اس تک پہنچانی چاہیے۔

خود آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پوری معلمانہ زندگی میں اس اصول پر عمل فرمایا حضرت ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قرآن پڑھو جب تک تمہارا دل اس پر خواہش کرے جس وقت تمہارے دل میں تفریق ہو تو اسے پڑھنا موقوف کر دینا۔

اسی طرح ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو ترغیب دلاتے تھے رمضان میں عبادت کرنے کی لیکن زور سے کسی بات کا حکم نہیں دیتے تھے۔آپ فرماتے تھے اس طرح جن اساتذہ کرام اپنے بے اثر کلاس لیکچر سے طلبہ کی دلچسپیوں کا خیال رکھے بغیر بچوں کے دل موہنے کی بجائے تعلیم سے متنفر کا باعث بنتے ہیں۔ جو شخص کھڑا ہو رمضان کی راتوں میں ایمان کے ساتھ ثواب کے لئے اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔(۳۰)

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ مقررین لمبے لمبے وعظوں اور نصائح سے عوام کو بور کرتے ہیں۔

۳)اصول تدریج

دین اسلام کی اشاعت تدریجی عمل سے ظہور پذیر ہوئی خود قرآن مجید کی تنزیل اس کا بہت بڑا ثبوت ہے جو طبعی حالات ۔لوگوں کی ضروریات اور ان کے طبعی رجحانات کو پیش نظر رکھ کر تدریجاً نازل کیا گیا۔ اس تدریج میں یہ حکمت پوشیدہ تھی وہ حضرت عائشہؓ کی اس بات سے واضح ہوتی ہے۔

انہوں نے فرمایا۔ نازل فرمایا گیا اس تدریج قرآن مجید میں جو چیز سب سے پہلے نازل

Scanned with CamScanner

کی گئی وہ مختصر سورتیں ہیں جن میں جنت دوزخ کا ذکر ہے اور جب لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے تو پھر حلال وحرام کے احکامات نازل ہوئے اگر بالکل شروع میں ہی کہہ دیا جاتا شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز نہ چھوڑیں گے۔(۳۱)

اسی طرح پہلے شراب سے نفرت کا اظہار کیا گیا پھر شراب پی کر نماز پڑھنے سے منع کیا گیا۔جب لوگ اس کے لئے تیار ہوگئے تو شراب کی حرمت کا حکم آیا اب حکم آنے کی دیر تھی کہ لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ کر اسے مدینہ کی گلیوں میں بہا دیا اسی طرح دوسرے احکام...... تدریج کے اسی اصول کو جدید دور کے ماہرین تعلیم نے تسلیم کیا ہے۔ہمارے اساتذہ کے لئے قرآن کے اس اسلوب میں رہنمائی کے نشانات پائے جاتے ہیں۔

اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ دین اسلام کی اشاعت تدریجی عمل سے ظہور پذیر ہوئی۔قرآن مجید کی تنزیل کے ساتھ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بھی بہترین نمونہ ملتا ہے۔آپ نے اللہ تعالیٰ کی اس سنت کو اپنی حکمت تدریس میں پیش نظر رکھا اور مبلغین اسلام کے لئے اسی اصول پر عمل کرنے کا حکم دیا۔

چنانچہ حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کو گورنر بنا کر بھیجا تو ان سے فرمایا۔

تمہارا گزر ایک قوم پر ہوگا جو اہل کتاب میں سے ہوں گے جب تو ان کے پاس پہنچے تو انہیں اشھد ان لا الہ الا اللہ سکھانا اگر وہ مان لیں تو اشھد ان محمد رسول اللہ بتانا۔جب یہ بھی مان لیں تو پھر ان سے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں دن رات میں۔اگر وہ مان لیں تو پھر ان سے کہو کہ اللہ نے تم پر صدقہ فرض کیا ہے۔جو مال داروں سے لیا جاتا ہے۔اور محتاجوں کو دیا جاتا ہے۔اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو پھر انہیں کہنا کہ مظلوم کی بددعا سے بچو۔(۳۲)

آپؐ نے دین کا پیغام پہلے اپنے گھر والوں ،قریبی عزیزوں ،رشتہ داروں یعنی خاندان کے لوگوں تک پہنچایا خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

★ دلالت النص سے وہ حکم ثابت ہوتا ہے جو منصوص علیہ حکم کی علت کے طور پر از روئے لغت معلوم ہوتا ہے☆

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْن (۳۳)

''ڈرایئے اپنے نزدیکی رشتہ داروں کو''۔

سب سے نزدیکی اہل خاندان کو آگاہ کرنے (ڈرانے) اور اس کے بعد یہ دائرہ بڑھ کر سارے اہل مکہ اور اہل حجاز تک پھیلانا اور بعد ازاں اردگرد کی آبادیوں تک پیغام پہنچانے کا حکم ہوا۔

لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا (۳۴)

تاکہ آپ مکہ اور اس کے اردگرد کے لوگوں کو خبردار کریں۔

پھر تبلیغ کا دائرہ آگے بڑھا اور فرمایا:

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاس (۳۵)

یہ قرآن تمام انسانوں کے لئے پیغام ہے۔

اور آپ سے فرمایا گیا۔ فرمادیجیے:

قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (۳۶)

اے! لوگوں میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

ان قرآنی آیات اور احادیث نبوی کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ دانائی کے ساتھ اور تدریجاً تعلیمات اور احکام کو لوگوں تک پہنچایا جائے کیونکہ یکبارگی پہنچانے سے اس پر عمل کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

۴) مخاطبین کی استعداد کا خیال

تعلیم میں نفسیاتی اعتبار سے اس بات کو اہمیت دی جاتی ہے کہ طریقہ تعلیم اور مواد تعلیم مخاطب و متعلم کی ذہنی و فکری، استعداد و صلاحیت کے مطابق ہو اگر تعلیمی مسائل و حقائق مخاطب کی ذہنی و فکری استعداد و صلاحیت سے زیادہ بلند ہو اور طریقہ تعلیم کے انتخاب میں مخاطب کے حالات اس کے

رجحان طبع اس کے مشاغل اور دلچسپیاں اور مواد تعلیم میں اس کے ادراک احساسات اور اس کے علم و بصیرت کا خیال نہ رکھا گیا ہو تو کوئی ہادی و مرسل یا مصلح و معلم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح اگر ایک معلم اپنی تدریس کے دوران یہ محسوس کرے کہ اس کا طریقہ تعلیم غیر موثر اور مواد مخاطبین کے لئے ناقابل فہم ہے تو اس کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ فوراً اپنے دلائل و براہین کو کو چھوڑ کر مناسب اور قابل فہم طریقہ اور دلائل و براہین اختیار کرے اس لئے کہ اس کا منصب مناظر کا نہیں بلکہ ہادی و معلم کا ہے۔قرآن مجید میں اس کی بہترین مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بادشاہ وقت کے ساتھ مباحثہ میں نظر آتی ہے۔ربوبیت الٰہی کی دلیل میں جب آپ نے فرمایا۔

رَبِّیَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ (۳۷)

''میرا رب وہ ہے جو بخشندہ حیات و ممات ہے''۔

تو اس نے جواب دیا: یہ کون سی بڑی بات ہے یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں کہ جس کو چاہوں زندہ چھوڑ دوں اور جس کو چاہوں موت کے گھاٹ اتار دوں چنانچہ دو قیدیوں کو بلا کر ایک کو زندہ چھوڑ دیا اور دوسرے کو قتل کر دیا۔

اب اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسری دلیل پیش فرمائی کہ میرا رب وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔تو مغرب سے نکال دے اس پر وہ مبہوت رہ گیا اور قرآن کہتا ہے: فَبُہِتَ الَّذِیۡ کَفَرَ (۳۸)

قرآن مجید کے اس انداز سے اساتذہ کو یہ سبق ملتا ہے کہ انہیں بھی اپنے متعلمین کی ذہنی استعداد اور سابقہ قابلیت کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیے اور جہاں بھی اسے محسوس ہو کہ اس کا طریقہ تدریس ناکام ہے تو اسے فی الفور اپنے انداز کو بدل کر ایک نئے انداز سے اپنی تدریس کی حکمت عملی کو وضع کرنا چاہیے۔

۵) مقرون سے مجرد کی جانب

انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ وہ ٹھوس چیزوں کی مدد سے مجرد تصورات کی طرف آسانی سے مائل ہوتی ہے اسی لئے تدریس میں ماڈل ، چارٹ اور نقشے پیش کئے جا رہے ہیں۔جن کے

★ نص کا تعلق چار چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے۔نمبر ۱: عبارت نمبر ۲: اشارہ، نمبر ۳: دلالت، نمبر ۴: اقتضاء ★

Scanned with CamScanner

ذریعے انسانی دماغ تصورات کے سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں تخلیق اشیاء، زندگی اور موت کا فلسفہ یعنی، فلسفہ حیات، آخرت کے وقوع اور خالق کائنات کی خالقیت کا تصور دلانے کے لئے کائنات کی ایسی اشیاء کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے اور ان کے لئے روزمرہ کا مشاہدہ ہے مثلاً نیند اور نیند سے بیداری ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اسی مثال سے بعثِ بعد الموت کا تصور ذہن نشین کرایا اسی طرح فلسفہ زندگی بیان کرنے کے لئے زمین کی مثال بیان فرمائی کہ کس طرح مردہ زمین باران رحمت سے روئیدگی کے قابل ہوتی ہے۔ پھر پودوں کی نشوونما پودوں کی افزائش ان کا برگ و بار لانا اور پھر زردی مائل ہو کر سوکھ جانا اور بھس بن کر رہ جانا ہمیں کائنات زندگی کی حیثیت سے آشنا کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں کلمہ طیبہ کو ایسے درخت کی مانند قرار دیا گیا ہے جو آسمان کی رفعتوں تک بلند اور اس کی جڑیں زمین کی پہنائیوں میں ہیں اور کلمہ خبیثہ کو ایسے درخت کی مثال سے سمجھایا گیا ہے جس کی جڑیں کھوکھلی اور ناپائیدار ہیں اسی طرح اچھے اعمال اور برے اعمال کی مثالیں ایسے زیورات کی جھاگ سے دی گئی ہے کی اصل چیز (نیک اعمال) تو باقی رہنے والے (زیورات کی مانند اور برے اعمال (فنا ہو جانے والے) ایسی جھاگ ہیں جو بہرحال ختم ہو جاتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نیکیوں کے ذریعے گناہوں کے جھڑنے کی مثال کس خوبصورتی سے دی ہے حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاڑے کے موسم میں نکلے اس حال میں پت جھڑ ہوتی ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے درخت کی دو شاخیں ہلائیں اس سے پتے جھڑنے لگے پھر آپؐ نے فرمایا ابوذر! بندہ مسلم جب نماز پڑھتا ہے اور خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے ارادہ سے، تو اس کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے اس درخت کے پتے۔ (۳۹)

۶) انفرادی اختلافات

طالب علموں کے انفرادی اختلافات کو آج کی نفسیات میں اہم مقام حاصل ہے اور اسے دور جدید کی اہم دریافت سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام نے جو تعلیمی خاکہ پیش کیا ہے اس کا پہلا سبق ہی یہ ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

★شریعت کی اصطلاح میں دوسرے پر فعل کو لازم کرنے کا تصرف ، امر کہلاتا ہے۔★

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَ جَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (۴۰)

''بلاؤ اپنے رب کی طرف دعوت وحکمت کے ساتھ اور موعظت حسنہ کے ذریعے اور ان کے ساتھ بحث کرو اچھے طریقے سے''۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا عملی نمونہ پیش فرمایا۔ آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور ابو ذر غفاریؓ کی تربیت ان کے طبائع کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ انداز میں فرمائی۔ پہلے دونوں حضرات صحابہؓ کو امور مملکت میں اہم عہدوں پر فائز کیا اس کے برعکس حضرت ابو ذر غفاریؓ کے سامنے اس دنیا کا ذکر ہمیشہ حقارت سے کیا۔

امام غزالی فرماتے ہیں:

جس شخص کا مذاق قدرتی طور پر معاشرت پسند واقع ہوا اس کو ہرگز تجرد اور ترک تعلقات کی تعلیم نہیں کرنا چاہیے بلکہ معاشرت کے وہ اصول وقواعد بتانے چاہئیں۔ جن کے ذریعے اس سے وہ نیکیاں ظہور آئیں جو معاشرت کے ساتھ مخصوص ہیں اس طرح جس شخص کا مذاق تجرد پسند واقع ہوا ہو اس کو ہرگز معاشرت کی ہدایت نہیں کرنی چاہیے بلکہ عزلت اور گوشہ نشینی کے ایسے اصول سکھانے چاہیے جن سے وہ اعتدال سے متجاوز نہ ہو۔ (۴۱)

چنانچہ ایک حدیث شریف میں آتا ہے:

ایک شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جماعت سے نماز پڑھنا مشکل ہے۔ معاذ بن جبل لمبی نماز پڑھاتے ہیں۔ ابو مسعود نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن بہت غصے میں تھے آپؐ نے فرمایا تم لوگوں کو نفرت دلانے لگے ہو۔ دیکھو! تم میں سے کوئی نماز پڑھائے۔ تو ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ ان میں سے کوئی بیمار، کوئی ناتوان اور کوئی کام والا ہوتا ہے۔

۷) اصول تکرار

نفسیات کے تدریسی اصول میں تکرار کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ کسی چیز کو بار بار دہرانے

★ امر مطلق وہ امر ہے جس میں لزوم یا عدم لزوم پر دلالت کرنے والی کوئی بات نہ ہو ★

Scanned with CamScanner

سے اس چیز کا نقش ذہن پر قائم ہوتا ہے۔

یہ انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ اگر اس کے سامنے، ایک ہی چیز بار بار لائی جائے یا دہرائی جائے تو اس کا شعور اسے زیادہ عرصہ تک نظر انداز نہ کر سکے گا بار بار دہرانے سے یہ نقش گہرا ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ پختہ ہو جاتا ہے لیکن تکرار سے مراد محض مشینی انداز میں دہرائی نہیں بلکہ کسی چیز کو مختلف انداز میں اور مختلف پس منظر پیش کرنا ہے تاکہ متعلم کے ذہن میں وہ چیز نقش ہو جائے قرآن مجید میں اس اصول کو بہت زیادہ استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً توحید رسالت اور آخرت کے دلائل اور اسلام کی صداقتوں کو کیسے کیسے انداز میں مختلف الفاظ میں بار بار قرآن مجید میں دہرایا گیا ہے موضوع ایک ہے لیکن انداز بیاں مختلف سورۃ الرحمان میں فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰن (۴۲) کی تکرار اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ربوبیت کا اظہار کس کس طرح کیا گیا ہے اسی لئے اس سورۃ کو زینت القرآن کہا گیا ہے۔

قرآن مجید کے مطالعے سے ایسی لاتعداد مثالیں دی جا سکتی ہیں یہ قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس صول کو اپنی گفتگو میں استعمال فرمایا ہے چنانچہ آپ کو جس چیز پر زور دینا ہوتا یا اسکی اہمیت واضح کرنا مقصود ہوتی تو آپ ان الفاظ کو بار بار دہراتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خدا کی قسم وہ مومن نہیں خدا کی قسم وہ مومن نہیں خدا کی قسم وہ مومن نہیں اس پر صحابہؓ نے عرض کیا کون؟ یارسول اللہ! آپ نے فرمایا جس کا پڑوسی اس کی برائیوں سے امن میں نہ ہو۔ (۴۳)

۸) اکتاہٹ سے بچنا

اکتاہٹ، ذہنی آمادگی اور تدریس کی دشمن شمار ہوتی ہے دلچسپی حکمت تدریس میں ایک اہم اصول ہے اگر متعلمین سبق میں دلچسپی نہ لے رہے ہوں۔ تو مثبت اثرات کے بجائے تعلیم سے تنفر اور اس مضمون سے بیزاری پیدا ہو جاتی ہے قرآن مجید میں اس اصول کا اطلاق کس خوبصورت انداز میں ہوا ہے چھوٹی چھوٹی آیات اور پھر بعض آیات کے درمیان وقفہ؛ یہ اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ پڑھنے والے کی سہولت مدنظر رکھی گئی ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ اپنی ہیئت اور مفہوم کے لحاظ سے

مثالی ہیں گویا ایسے نگینے ہیں جو اپنے اپنے مقام پر نہایت مناسب انداز میں جڑ دیئے گئے ہیں جہاں یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے وہاں پڑھنے والے کی فطری کمزوری بھی پیش نظر تھی حضور ﷺ کی زندگی میں کوئی ایک بھی مثال ایسی۔ نہیں ملتی کہ آپ ﷺ نے ایک ہی سانس میں بیسوؤں نصیحتیں کر دی ہوں۔ آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر الفاظ ادا فرماتے تھے اور بعض الفاظ جن پر زور دینا ہوتا انہیں دہراتے بھی تھے تا کہ لوگ انہیں سمجھ سکیں اس پر عمل کر سکیں۔

آپؐ سامع کی صلاحیت اور تفہیم کے درجے کا خیال رکھتے آپؐ کا حجۃ الوداع کا خطبہ تقریر دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔ احادیث میں آپ کی جن گفتگوؤں کا ریکارڈ ملتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ تعلیم و تعلم کو ایسے انداز میں جاری رکھنا چاہتے تھے کہ متعلم اکتا نہ جائے کیونکہ تعلیم کبھی جبر سے نہیں دی جا سکتی۔

صحیح بات بھی اگر مسلسل کہی جائے اور اس میں کوئی وقفہ نہ ہو تو اسے معمولی سمجھ کر طبیعت نظر انداز کر دیتی ہے اور حقیقی اثر پذیری نہیں ہوتی۔ آپؐ نے خود بھی اس بات کا خیال رکھا اور صحابہؓ کو بھی اس کی تلقین فرمائی۔

چنانچہ مشہور روایت ہے کہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) ہر پنج شنبہ (جمعرات) کے دن لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے تو ان سے ایک شخص نے کہا۔ اے ابو عبدالرحمان میری خواہش ہے کہ آپؐ ہم لوگوں کو ہر روز وعظ و نصیحت کیا کریں انہوں نے فرمایا کہ ہر روز تقریر کرنے سے جو چیز مجھے روکتی ہے۔ وہ یہ کہ تم اکتا نہ جاؤ اور میں تمہیں اکتا دینا پسند نہیں کرتا چونکہ حضورؐ ناغے دے کر نصیحت فرمایا کرتے تھے اس لئے میں بھی تمہیں ناغے دے کر وعظ و نصیحت کرتا ہوں اور آپؐ اس لئے ایسا کرتے تھے کہ لوگ اکتا نہ جائیں۔ (۴۴)

۹) سوال و جواب کا طریقہ

بہتر تعلیم کے لئے آج کل سوال و جواب discussion کا طریقہ استعمال کیا جاتا ہے

اس سے متعلمین جہاں سبق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہاں ان کا ذہن بھی نئی نئی چیزیں سوچتا اور سوالات کے جوابات تلاش کرتا ہے۔ نیز ایک اچھا سوال بھی اپنی جگہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

قرآن مجید میں اس طریقہ کو استعمال کیا گیا ہے۔ پہلے مخاطبین سے سوال کر کے انہیں متوجہ کیا گیا ہے اور پھر خود بھی اس کا جواب دیا گیا۔ مثلاً سورۃ الکہف میں فرمایا:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (۴۵)

”فرما دیجیے۔ کیا میں تمہیں ایسے اعمال کی خبر نہ دوں جو خسارے والے ہیں وہ لوگ جو دنیا کی زندگی میں مگن رہے اور گمان کیا کہ وہ بہت اچھے افعال (کرتوت) کر رہے ہیں“۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ (۴۶)

”اور آپؐ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپؐ فرما دیجیے روح تو میرے رب کے حکم سے ہے“۔

قرآن مجید میں زمین، آسمان اور دیگر مخلوق کے متعلق استفہامیہ انداز میں پوچھ کر اس کا جواب دیا گیا ہے تاکہ لوگ متوجہ ہوں یہ قرآن کا خاص انداز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر کس طرح عمل فرمایا۔

ایک دفعہ آپؐ نے صحابہؓ سے پوچھا کہ تم پہلوان کسے کہتے ہو صحابہؓ نے عرض کیا کہ لوگ جسے کشتی میں بچھاڑ نہ سکیں فرمایا نہیں۔ پہلوان وہ ہے جو غصے میں اپنے نفس پر قابو پالے۔ (۴۷)

اسی طرح ایک مرتبہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کی مجلس میں ساتھیوں سے پوچھا۔ بھلا وہ کون سا درخت ہے جس کے پتے جھڑتے نہیں اور جو مسلمانوں سے مشابہت رکھتا ہے لوگوں نے مختلف جواب دیئے آخر میں آپؐ نے فرمایا وہ درخت کھجور کا ہے جس میں سراسر بھلائی ہے وہ سایہ بھی دیتا

ہے اس کا پھل بھی کھایا جاتا ہے پتوں سے چٹائیاں بنائی جاتی ہیں ۔تنا اور شاخیں مکان بنانے اور ایندھن بنانے کے کام آتا ہے گھٹلیاں اونٹوں کے کام آتی ہیں غرض یہ درخت ہر پہلو سے نفع بخش ہے اور اس کی ضروریات بھی محدود نا مساعد حالات اور نا موافق آب و ہوا میں بھی پھلتا پھولتا ہے اور کبھی عریاں نہیں ہوتا۔

یہی حال مسلمان کا ہے اس کی زندگی اور شخصیت ،اس کے اقوال و افعال کوئی بھی بیکار و بے معنی نہیں وہ دوسروں کا مددگار اور ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا ۔وہ دنیا کے لئے سراسر رحمت کا باعث ہوتا ہے ۔زحمت کا نہیں غرض سوال و جواب کا یہ قرآنی طریق مفہوم کو واضح کرنے اور دل نشین کرنے کیلئے نہایت کارآمد ہے مسلمان مبلغین کو اسے اپنانا چاہیے۔

۱۰)استعارات وتشبیہات کا استعمال

اپنی گفتگو میں تشبیہات کا برمحل استعمال اور استعاراتی اور تمثیلاتی انداز ،معلم کو محض ایک آلہ تدریس نہیں رہنے دیتا بلکہ اسے ایک پر تاثیر ،شیریں اور دل کش شخصیت کا حامل بنا دیتا ہے یہ انداز استاد کے لئے بنیادی مہارت کا کام دیتا ہے خوبصورت ،تمثیلی انداز ،استعاراتی لہجہ حکمتوں کے دریچے وا کرتا چلا جاتا ہے قرآن مجید میں اس انداز کی نہایت خوبصورت مثالیں موجود ہیں ۔

سورۃ البقرہ میں کفار کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ (۴۸)

’’ان (کفار) کی مثال ایسے ہے جیسے کسی نے آگ جلائی جب اس نے اپنے اردگرد کو روشن کر دیا اللہ نے اس کا نور (روشنی) ختم کر دیا اور انہیں اندھیرے میں چھوڑ دیا جس میں دکھائی نہیں دیتا‘‘۔

دوسری جگہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْىٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا (۴۹)

''بے شک اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا کہ وہ مچھر یا اس سے بھی گھٹیا چیزوں کی مثال بیان کرے''۔

مشرکین کی مثال دیتے ہوئے سورۃ الحج میں فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَاباً(۵۰)

''لوگو ایک مثال دی جاتی ہے غور سے سنو۔ جن معبودوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے''۔

اسی طرح پہاڑوں ، رات دن کے تغیر اور آثار کائنات کی مدد سے توحید ، رسالت اور آخرت پر دلائل دیئے گئے ہیں خصوصا دریاؤں میں کشتیوں کے چلنے ، اونٹ کی تخلیق اور بارش و ہوا کے چلنے اور نیند کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی خالقیت کا ذکر نہایت موثر اور دل نشین انداز میں کیا گیا ہے۔

مشاہداتی طریقہ تدریس

بعض چیزیں یا تصورات ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو ذہن نشین کرانے کے لئے لیکچر یا کوئی اور طریقہ اتنا موثر نہیں ہوتا جتنا کہ مشاہدہ قرآن پاک میں اللہ نے انسانوں کو سمجھانے کے لئے بہت جگہ مشاہداتی انداز اختیار کیا۔ مثال کے طور پر:

اَفَلَا يَنظُرُونَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ (۵۱)

''یہ لوگ کیا اونٹ پر نظر نہیں کرتے کہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے اور آسمان پر کہ کیسی (عجیب) طرح بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں پر کہ کیسے (عجیب) کھڑے کئے گئے ہیں اور زمین پر کہ کیسی عجیب طرح بچھائی گئی ہے''۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (۵۲)

وعظ و نصیحت

وعظ و نصیحت وہی موثر ہوتی ہے۔ جو حکمت و بصیرت اور نرمی سے کی جائے حضرتِ موسیٰ و ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو انہیں فرمایا:

اِذْهَبَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰى (۵۳)

''فرعون کے پاس تم دونوں جاؤ بے شک وہ حد سے زیادہ تجاوز کر گیا ہے پھر اس سے نرم گفتگو کرنا شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر ہی جائے''۔

وعظ و نصیحت کی نرمی اختیار کرنے اور سختی سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ (۵۴)

''پھر یہ اللہ کی رحمت ہی کے سبب سے ہے کہ آپ ان کے ساتھ نرم رہے اگر آپ تند خو سخت طبع ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو گئے ہوتے سو آپ ان سے درگزر کیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجیے اور ان سے معاملات میں مشورہ لیتے رہیے......

یعنی وعظ و نصیحت میں نرمی اختیار کی جائے سختی سے لوگ متنفر ہو کر دور ہو جاتے ہیں غلطیوں سے درگزر اور ان کی عزت افزائی یعنی اپنے امور میں مشورہ شرکت تا کہ انہیں احساس ہو کہ ہماری کوئی حیثیت ہے۔ استاذ کو چاہیے کہ وہ طلبہ سے نرمی کے ساتھ نصیحت کرے۔ سختی سے نصیحت کا اثر الٹا ہوتا ہے۔

Scanned with CamScanner

بحث ومباحثہ

عمل تدریس میں طلبہ کی عملی شرکت پر بھی آج کل بہت زور دیا جارہا ہے۔اس شرکت کی ایک صورت بحث مباحثہ بھی ہے۔ یہ بحث ومباحثہ اگر کچھ حدود کے اندر ہے تو نتیجہ خیز ہوگا ورنہ بحث سے آگے جھگڑے کی شکل اختیار کرجائے گا۔

قرآن نے اس طریقے کو اختیار بھی کیا ہے اور اصول بتائے ہیں:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَن (۵۵)

''آپ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلایئے حکمت سے اور اچھی نصیحت سے اور ان کے ساتھ بحث کیجیے پسندیدہ طریقے سے''۔

وَتِلْکَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ (۵۶)

''یہ تھی ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ پر دی تھی''۔

قرآنی آیات سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ بحث ومباحثہ میں:

۱) حکمت وپسندیدہ طریقے سے بات ہو

۲) دلیل سے بات ہو

۳) جس بات کا کچھ بھی علم نہ ہو اس میں بحث نہ کرے۔

۴) مہذب طریقے سے بحث کرے۔

منصوبی طریقہ تدریس

منصوبی طریقہ تدریس میں کوئی منصوبہ طلبہ کے مشورہ سے طلبہ کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے

پھر طلبہ خود ہی اس منصوبے کے بارے میں تمام تفصیلات طے کرتے ہیں۔ لیکن ہر قدم پر نگرانی و رہنمائی استاد کی ہوتی ہے قرآن میں بھی ایک منصوبے کا ذکر ہے جو اللہ کے نبی حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ پاک کی نگرانی میں مکمل کیا۔

وَاصۡنَعِ الۡفُلۡکَ بِاَعۡیُنِنَا وَوَحۡیِنَا (۵۷)

''پس ہم نے ان کے پاس حکم بھیجا کہ کشتی ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے تیار کرو''۔

اب یہ ایک منصوبہ حضرتِ نوحؑ کو مل گیا یہ انہیں خود طے کرنا تھا۔ جنگل سے لکڑیاں تلاش کرنا کاٹنا، لانا اس کے تختے تیار کرنا ان کی کشتی بنانا یہ ساری باتیں نوح کو کرنا تھیں لیکن یہ سارا کام انہوں نے باعیننا اللہ پاک کی نگرانی میں سرانجام دیا۔

استاد کو چاہیے کہ طلبہ کی تخلیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لئے دورانِ سال کچھ منصوبے ضرور طلبہ سے کرائے تجویز طلبہ اور استاد مل کر کریں تکمیل استاد کی رہنمائی میں طلبہ خود کریں۔

شراکتی تدریس

ٹیم ٹیچنگ کیا ہے؟ یہ کہ ایک سے زیادہ استاد مل کر کام کریں اور جس شعبہ میں زیادہ مہارت رکھتا ہو وہ اس پہلو کی تدریس کرے۔ گو اسے فی زمانہ جدید طریقہ تدریس کے طور پر متعارف کرایا جا رہا ہے لیکن ایسا نہیں ہے قرآن میں اس کی ایک سے زیادہ مثالیں موجود ہیں جب اللہ نے موسیٰ کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور فرعون کے پاس جانے کے لئے کہا تو انہوں نے عرض کی:

وَيَسِّرۡ لِيۡۤ اَمۡرِيۡ وَاحۡلُلۡ عُقۡدَةً مِّنۡ لِّسَانِيۡ يَفۡقَهُوۡا قَوۡلِيۡ وَاجۡعَلۡ لِّيۡ وَزِيۡرًا مِّنۡ اَهۡلِيۡ هٰرُوۡنَ اَخِي اشۡدُدۡ بِهٖۤ اَزۡرِيۡ وَاَشۡرِكۡهُ فِيۡۤ اَمۡرِيۡ كَيۡ نُسَبِّحَكَ كَثِيۡرًا وَّنَذۡكُرَكَ كَثِيۡرًا (۵۸)

''اور میرا کام مجھ پر آسان کر دے اور میری زبان سے بستگی (لکنت) دور کر دے تاکہ (لوگ) میری بات خوب سمجھ سکیں۔ میرے گھر والوں سے میرا ایک معاون مقرر کر دے ہارون کو، کہ میرے بھائی ہیں میری قوت کو ان کے ذریعے سے مضبوط کر دیجیے اور ان کو میرے کام میں

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆

Scanned with CamScanner

شریک کر دیجیے تاکہ ہم لوگ خوب کثرت سے تیری پاکی بیان کریں"۔

موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی جبکہ ہارون علیہ السلام کی فصاحت لسانی آج بھی مشہور ہے۔اب جہاں معجزات کا معاملہ ہوتا تو موسیٰ کا کردار نمایاں ہوتا اور جہاں خطابت و بلاغت کی بات ہوتی تو ہارون علیہ السلام کا کردار شروع ہوتا۔دونوں مل جل کر کام کرتے۔اس طرح شراکتی تدریس کی ایک مثال سورۃ یٰسین میں بھی ہے۔

اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ (۵۹)

"ہم نے ان کے پاس دو کو بھیجا تو انہوں نے دونوں کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے سے ان کی تائید کی (انہوں نے) کہا ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں"۔

ان بھیجے ہوئے کا مقصد ایک ہی تھا بہ یک وقت تینوں نے مل کر ایک فریضے کو احسن طریقے سے ادا کیا۔

ان دو مثالوں سے یہ بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ شراکتی تدریس (Team Teaching) نیا تصور نہیں بلکہ انبیاء اس طریقے سے انسانیت کی تربیت کرتے رہے ہیں۔

تعلیمی سیر و سفر

جدید دور میں چونکہ ذرائع آمد و رفت عام ہیں اس لئے تعلیمی سیر پر بہت زور دیا جا رہا ہے بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں ۔ جن کی وضاحت زبانی نہیں ہوسکتی۔ اس کے لئے سمعی بصری معاونات کا سہارا لیا جاتا ہے۔لیکن کچھ موضوعات ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں تدریسی معاونات سے بھی پوری طرح وضاحت نہیں ہوسکتی۔ کچھ پہلو پھر بھی تشنہ ہی رہ جاتے ہیں۔خاص کر تاریخ جغرافیہ کے مضامین میں اس کے لئے تعلیمی سیر کا بندوبست کیا جاتا ہے۔بے مقصد کہیں جانا سیر نہیں بلکہ یہ آوارہ گردی ہوتی ہے۔سیر میں مراد ایسے سفر جس کے مقصد پہلے سے طے ہیں۔

قرآن میں سینکڑوں جگہ پر زمین میں چل پھر کر اللہ کی قدرت کی نشانیں دیکھنے نیز سابقہ

Scanned with CamScanner

قوموں کی اجڑی بستیاں اوان کے کھنڈرات و باقیات کو دیکھ کر ان سے عبرت حاصل کرنے کا فرمایا ہے:

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ (۶۰)

کہئے کہ زمین پر چلو پھر دیکھ لو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (۶۱)

''تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ورنہ دیکھ لیتے ان لوگوں کا کیسا برا انجام ہوا جو ان سے قبل تھے''۔

یعنی سیر کا اثر یہ ہوتا کہ یہ دل و دماغ کان آنکھ سے اللہ کی قدرت دیکھ کر اس کا اقرار کرتے۔ تاریخ جغرافیہ آرکیالوجی کا علم وفن کی حیثیت سے نہیں بلکہ عبرت پذیری کی غرض سے پڑھا جائے تو داخل عبادت ہے۔

استقرائی طریقہ تدریس

مثالوں کی کثیر تعداد سے کوئی نتیجہ قاعدہ کلیہ اصول قانون یا فارمولا اخذ کرنا استقرائی طریقہ تدریس کہلاتا ہے۔ یہ قدیم طریقہ تدریس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اور توحید اور آخرت کے بارے میں بہت سی مثالیں پیش کیں تا کہ انسان نتیجہ خود نکال لے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے استقرائی انداز سے کام لے کر سب منکرین خدا کو لاجواب کر دیا اختصار کے لئے آیات کا ترجمہ دیا جا رہا ہے۔

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ (۶۲)

ترجمہ: اور خدا کی قسم میں تمہاری غیر موجودگی میں ضرور تمہارے بتوں کی خبر لوں گا۔ چنانچہ اس نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ورصرف ان کے بڑے کو چھوڑ دیا تا کہ شاید وہ اس کی طرف

رجوع کریں۔

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ کَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ کَانُوْا یَنْطِقُوْنَ (۶۳)

ترجمہ: انہوں نے پوچھا کیوں ابراہیم تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت ہی ہے۔ اس نے جواب دیا بلکہ یہ سب کچھ ان کے سردار نے کیا ہے۔ ان ہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں۔

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُکُمْ شَیْئًا وَّ لَا یَضُرُّکُم (۶۴)

''ابرہیم نے کہا پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کو پوج رہے ہو جو نہ تمہیں نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان''۔

ان مثالوں سے یہ بات اخذ کروائی کہ جو نہ اپنی حفاظت کر سکے نہ اسے دیکھے نہ چلے پھرے وہ خدا کیسے ہوسکتا ہے۔

استخراجی طریقہ تدریس

یہ طریق استقرائی طریقے کے الٹ ہے اس میں قاعدہ کلیہ قانون اصل فارمولا وغیرہ پہلے بتا دیے جاتے ہیں۔ اور تفصیل بعد میں بتائی جاتی ہیں جس کی مثالیں قرآن میں موجود ہیں:

کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْت (۶۵) ''ہر جاندار کو موت کا مزا چکھنا ہے''۔

وَ کَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا (۶۶) ''اور انسان جلد باز ہے''۔

وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَی (۶۷) ''اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا''۔

ان تمام آیات میں وہ حقائق بیان کئے گئے ہیں جن کو ہر قسم کے حالات میں لاگو کیا جاسکتا ہے ان کو Generalize کریں تو انکی حقانیت سو فی صد ہی درست ثابت ہوتی ہے۔

☆ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

منطقی انداز

قرآن مجید اپنی بات کولوگوں کے سامنے بڑے منطقی انداز سے پیش کرتا ہے۔ اس کی ایک بہترین مثال حضرت ابراہیمؑ اورنمرود کے درمیان مکالمہ ہے۔

اِذْقَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ قَالَ اِبْرٰھٖمُ فَاِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (۶۸)

"جبکہ ابرہیم نے اس سے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے وہ بولا کہ زندگی اور موت تو میں دیتا ہوں ابرہیم نے کہا اچھا اللہ تو آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا۔ اس پر وہ جو کافر تھا دنگ رہ گیا اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا ہے۔"

تو استاد کو چاہیئے کہ اپنی بات طلبہ کے سامنے منطقی انداز میں پیش کرے۔

تفویض کار، کا طریقہ تدریس

طلبہ میں خود کام کرنے کی عادے ڈالنے تخلیقی صلاحیتوں کی نشوونما اور گھر کے اوقات کے صحیح مصرف اور بعض اوقات سکول / مدرسہ کے وقت کو صحیح استعمال کرنے کے لئے طلبہ کو کام تفویض کر دیا جاتا ہے۔

اللہ نے جتنے نبی بھیجے سب کو بنیادی طور ایک ہی کام سونپا اور وہ تھا لوگوں کے سامنے اللہ کی بڑائی کے بول بول کر ان دیکھے خدا کا قائل کرنا لوگوں کو حکمت بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلانا۔

حضرت موسیٰؑ سے ارشاد فرمایا ہے:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْن (۶۹)

ترجمہ اور اپنے قرابت والے کو ڈرائیے۔

حضرت نوحؑ اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کے بارے میں عرض کر رہے ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ دَعَوْتُ قَوْمِىْ لَيْلًا وَّنَهَارًا (۷۰)

''پھر (نوح) نے دعا کی اے میرے پروردگار میں اپنی قوم کو رات اور دن (تیری طرف) دعوت دی''۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے امامت کو بھی تفویض کیا ہے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِىْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِقف عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىْ (۷۱)

''آپ کہ دیجئے کہ میرا طریق یہی ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں حکمت کے ساتھ ۔میں بھی اور میرے پیروکار بھی''۔

یعنی اب امت محمدیہ کا بھی وہی کام ہے جو آپ کا اور سارے انبیاء کا تھا۔یعنی لوگوں کو حکمت بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلانا۔استاد کو چاہیئے کہ وہ بچوں کی استعداد کے مطابق انہیں تفویض کار کرتا رہے۔اس سے ان کی کئی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آئیں گی۔

تحقیق و جستجو

قرآن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بات سمجھائی ہے کہ جب تمہارے پاس کوئی اطلاع آئے تو اس پر اس وقت تک عمل نہ کرو جب تک تحقیق نہ کر ڈالو۔یعنی بغیر تحقیق کسی بات پر عمل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْن (۷۲)

Scanned with CamScanner

''اے ایمان والوں اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم تحقیق کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ کہیں نادانی میں کسی قوم کو ضرر پہنچادو پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے''۔

سنی سنائی بات پر نہ اعتبار کرنا چاہیے۔نہ عمل کرنا چاہیے اور نہ ہی آگے بیان کرنا چاہیے بغیر تحقیق بات آگے کردینا یہی افواہ ہے۔اور یہ بعض اوقات بہت بڑے نقصان کا باعث بن جاتی ہے۔

تکرار

قرآن کا یہ اسلوب ہے کہ یہ یک طرفہ دلائل کے تکرار سے ذہن سازی کرتا ہے توحید و رسالت حیات بعد الممات کے حوالے سے قرآن آیات سے بھرا پڑا ہے زمین و آسمان کی تخلیق اپنی پیدائش زمین میں چل پھر کر اللہ کی قدرتوں کا مشاہدہ کرنے کی بار بار تاکید قرآن پاک میں مختلف انداز سے پھیر کر بار بار مضامین لاتے ہیں:

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ (۷۳)

''اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کے (عمدہ) مضمون طرح طرح سے بیان کئے ہیں''۔

یعنی ہر قسم کے احکام ومثالیں پھیر پھیر کر بیان کی ہیں۔

اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ هُمْ یَصْدِفُوْنَ (۷۴)

''آپ دیکھیے ہم کس طرح دلائل (توحید) بیان کرتے ہیں اور یہ لوگ پھر بھی بے رخی کرتے ہیں''۔

استاد کو بھی چاہیے جو اہم ہو اس کو دو تین بار دہرائے۔تکرار علم کا دروازہ ہے۔تکرار سے بات ذہن نشین ہوجاتی ہے۔

معلوم سے نا معلوم کی طرف

اچھا استاد سبق کو ایسی باتوں یا ایسی چیزوں ایسے تصورات وخیالات سے شروع کراتا ہے

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

Scanned with CamScanner

جو طلبہ کو پہلے سے معلوم ہوں پھر ان کو بنیاد بنا کر بتدریج ان باتوں یا ان چیزوں کی طرف لے جاتا ہے جو نا معلوم ہیں۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ قوموں اور امتوں کی ہلاکت و بربادی کے واقعات بیان کیئے کیونکہ لوگ ان کی تباہی سے آگاہ تھے اور تباہی و بربادی کی وجوہ بیان فرمائیں۔ اس کو بنیاد بنا کر یہ بات سمجھائی کہ جن گناہوں پر ان کی گرفت ہوئی تمہاری بھی ہوسکتی ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَالْأَحْزَابُ مِنْ م بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ م بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ (۷۵)

''ان سے قبل قوم نوح تکذیب کر چکی ہے اور ان کے بعد گروہ بھی اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کو گرفتار کرنے کا قصد کیا اور ناحق جھگڑے نکالے تاکہ ناحق سے حق کو دبالیں۔ سو میں نے ان کی گرفت کی۔ سو میری طرف سے انہیں کیسی سزا ملی''۔

یعنی جس طرح پیغمبر کو جھٹلائے جانے پر ان کی گرفت ہوئی اگر تم نے نہ مانا تو تکذیب کرتے رہے تو تم پر بھی گرفت آئے گی۔

پروگرام لرننگ : Programme Learning

پروگرام لرننگ کو ایک جدید طریقہ تدریس سمجھا جا رہا ہے اس طریقہ میں طلبہ کو ایک پروگرام دے دیا جاتا ہے۔ اس میں زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرایا جاتا ہے۔ طالب علم کوشش کر کے ایک نتیجے پر پہنچتا ہے لیکن جہاں مشکل درپیش آئے تو ہدایت ہوتی ہے۔ کہ رہنمائی کے لئے فلاں صفحہ دیکھیے یعنی درست جواب بھی کہیں دیئے ہوئے ہوتے ہیں قرآن میں یہ طریقہ ہمیں سورۃ کہف میں ملتا ہے سورۃ کہف میں موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بڑی تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ۔۔۔ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا (۷۶)

Scanned with CamScanner

اس میں موسیٰ کو ایک سفر کا حکم ہوا۔ منزل مقصود بتا دی گئی۔ مقصد زیادہ سے زیادہ مطالعہ و مشاہدہ تھا یہ پروگرام لرننگ کی ایک بہترین مثال ہے۔

آسان سے مشکل کی طرف

تعلیمی تصورات، آسان تجربات کی بنیاد پر شروع ہوں، اور بتدریج مشکل کی طرف بڑھتے جائیں تو تدریس میں طلبہ کو آسانی رہے گی۔ قرآن نے بھی اس اسلوب کو حسب موقع اپنایا ہے۔ اللہ پاک نے خاص کر توحید اور اخروی زندگی سمجھانے کے لئے اس طریقہ کو اختیار کیا ہے۔

قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ قَالَ لَنْ تَرٰنِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوْفَ تَرٰنِی (۷۷)

موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ یا اللہ میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس پہاڑ کو دیکھو اگر اسے دیکھ لیا تو پھر مجھے بھی دیکھ لو گے۔

اسی طرح اصحاب کہف کے واقعے سے بھی یہ سمجھانا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ ۳۰۹ سال تک بغیر کھلائے پلائے سلا سکتا ہے۔ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ بھی کر سکتا ہے۔

خطابت کا طریقہ

”اللہ پاک نے قرآن پاک میں اس طریقہ کو بہت استعمال کیا ساری انسانیت کو مخاطب کر کے فرمایا۔

یاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (۷۸)

”اے لوگوں اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے قبل والوں کو عجب نہیں کہ تم پرہیزگار بن جاؤ“۔

یہاں ایمان والوں سے خطاب ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ (۷۹)

''اے ایمان والو جب ادھار کا معاملہ کسی مدت معین تک کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو''۔

اس آیت میں اپنے رسول سے خطاب ہے:

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (۸۰)

''اے ہمارے پیغمبر جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے۔ یہ سب لوگوں کو پہنچا دیجئے''۔

اسی طرح کہیں فرشتوں سے خطاب ہے کہیں کافروں سے خطاب کہیں بنی اسرائیل سے خطاب کہیں رسولوں سے خطاب۔ الغرض قرآن میں لیکچر میتھڈ (Method/Lecture) کا بہت استعمال کیا گیا ہے۔

مسلمان مفکرین کے مطابق تدریسی طریقے

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (۸۱)

''ارشاد خداوندی ہے بلا اپنے رب کی راہ پر حکمت اور عمدہ طریقے سے نصیحت کے ذریعے اور ان سے بحث کر بہترین طریقے سے''۔

اس آیت سے تین اسلامی طریقہ ہائے تدریس اخذ کئے جاسکتے ہیں:

حکمت کے طریقہ پر عمل کر کے اپنے تدریسی انداز کو بہتر بنائیں، ہمیں یہ حکم دیا گیا کہ لوگوں کو ان کے مراتب پر رکھیں اور ان کی عقل کے مطابق ان سے گفتگو کریں اسی لئے امام غزالی نے استاد کے لئے چھٹا ادب یہ بتایا کہ وہ شاگرد کی عقل اور سمجھ کو ملحوظ رکھیں ان کی سمجھ سے اونچی باتیں نہ کریں اس طرح وہ علم سے نفرت کرنے لگیں گے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

دلوں کی کچھ خواہشیں اور مثبت منفی رجحانات ہیں، تو تم خواہشات اور مثبت رجحانات کے رخ سے آؤ کیونکہ جب دل کو مجبور کیا جاتا ہے تو وہ نابینہ ہو جاتا ہے (ضد میں جو چاہے کر گزرتا ہے)۔

استاد کو چاہیے کہ وہ طلبہ کی آمادگی دلچسپی اور آمادگی اور شوق کو ابھارے اور پھر انہیں سبق پڑھائے آمادگی پیدا کرنے کے لئے استاد اپنی شخصیت کے اثر دلچسپ اور آسان پیرایہ اظہار اور سبق کے مقرون اشیاء واقعات زندگی سے ارتباط ایسے وسائل کو کام میں لاسکتا ہے۔ سبق کو دلچسپ اور موثر بنانے اور اسے طلبہ کے ذہنوں میں راسخ کرنے کے لئے ابن خلدون تدریس کا فطری طریقہ پیش کرتے ہیں۔

اولاً جو فن پڑھانا مطلوب ہے اس کی موٹی موٹی حقیقتیں ضروری تشریح کے ساتھ اجمالاً ذہن نشین کرائی جائیں اور اس میں متعلم کی ذہنی استعداد کا پوری طرح خیال رکھا جائے نیز یہ دیکھا جائے کہ گردوپیش کی مخصوص اشیاء کو بطور امثلہ اور نظائر کے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ (۸۲)

ابن خلدون کے مطابق اچھی تدریس کا پہلا معیار

اس کا طلبہ کی ذہنی استعداد کے مطابق ہونا اور دوسرا دوران تدریس مناسب مواقع پر مقرون اشیاء مثالوں اور واقعات کو بطور معاونات استعمال کرنا ہے ثابت ہوا کہ تدریس کی تاثیر کا براہ راست تعلق ابلاغ کے معیار سے ہے۔

ڈاکٹر ایم۔اے عزیز لکھتے ہیں:

''مسلمانوں نے طریق تدریس میں ابلاغ کی اہمیت کو بھی سمجھا اور اسے صحیح طور پر استعمال بھی کیا۔ طالب علم کو اس کی صلاحیت کے مطابق ہی تعلیم دی جائے تاکہ وہ اسے آگے چل کر اپنے پیشے کے انتخاب میں دقت پیش نہ آئے اور وہ مضمون میں اختصاص کی کوشش کرے جس میں وہ بطریق احسن کامیاب ہوسکتا ہے''۔ (۸۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

’’جو شخص اپنے مخاطب کے معیار سے بلند آواز میں نصیحت کرتا ہے اس گفتگو سے بعض لوگوں کے گمراہ ہو جانے کا احتمال ہے‘‘۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ استاد کو اپنے شاگرد کو پڑھاتے ہوئے، سہل رواں اور فصیح زبان استعمال کرنی چاہیے۔ القلقشندی تدریس کی زبان کے بارے میں بتاتے ہیں کہ:

’’بغیر تیاری کے کوئی تقریر نہیں کرنی چاہیے پہلے خیالات کو ذہن میں مرتب کیا جائے پھر مناسب الفاظ کا استعمال کیا جائے تا کہ بوقت ضرورت الفاظ آسانی سے زبان پر رواں ہو جائیں۔ مقرر (استاد) کے الفاظ فصیح، سلیس اور شائستہ ہونے چاہئیں اور ایسے الفاظ سے پرہیز کرنا چاہیے جن سے تقریر گنجلک ہو جائے‘‘۔ (۸۴)

خاتون اسکالر، منور جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہم ہدایت کی نشاندہی ان الفاظ میں کرتی ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مبلغین اور معلمین کو ہدایت فرما دی کہ لوگوں کے مزاج اور ذہنی سطح کو ملحوظ رکھ کر تعلیم دینا ضروری ہے اور ان کی عقل وفہم کے مطابق بات چیت کرنا چاہیے۔ (۸۵)

حکمت کا طریق تدریس اسی وقت کامیاب کہلائے گا جب وہ طلبہ کی ذہنی سطح اور ضرورت کے مطابق ہو جس کے نتیجے میں طلبہ کو اطمینان ہو جائے کہ جو بات انہیں سمجھائی گئی ہے وہ ان کے لئے مفید اور با مقصد ہے اگر تدریس نے طالب علم کی تسکین نہ کی تو اس کی زبان پر ایسے ہی الفاظ ہوں گے جیسے کہ اورنگزیب عالمگیر نے استاد ملا صالح کے بارے میں کہے تھے جن سے شاگرد کی عدم طمانیت صاف ظاہر ہوتی ہے۔ اس نے کہا تھا:......

کیا میرے معلم کا یہ فرض نہ تھا کہ وہ مجھے روئے زمین کی ہر قوم کے اختیاری مضامین سے روشناس کراتا مجھے علم ہونا چاہیے تھا کہ ان اقوام کے وسائل اور ان کی طاقت کیا ہے ان کے آداب و اطوار مذہب وطرز حکومت طریق جنگ وغیرہ کیا ہیں اور وہ کون سے امور ہیں جن میں یہ دلچسپی رکھتی ہیں۔ (۸۶)

حد یعمل فی الارض خیر لاهل الارض من ان یمطروا اربعین صباحا ★ الحدیث

Scanned with CamScanner

دوسرا طریق تدریس

نصیحت کا طریقہ ہے جو طالب علم کی اخلاقی تربیت کا بہترین وسیلہ ثابت ہوسکتا ہے۔ معلم کا کام صرف الفاظ کے ڈھیر کو شاگرد تک منتقل کرنا نہیں بلکہ برائیوں سے دور رکھنا اور نیکی کی راہ پر لگانا بھی ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے استاد کو وعظ و نصیحت کرنا ہوگی لیکن نصیحت بے اثر ہوگی اگر استاد کا کردار وعظ کے الفاظ سے متصادم ہو وعظ و تدریس میں تاثر پیدا کرنے کا اہم ترین وسیلہ یہ ہے کہ استاد اپنے طلباء کے سامنے عالم باعمل بن کر آئے اس صورت میں ان کے ہونٹوں سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ طلباء کے لئے اثر آفریں اور کشش انگیز ہوگا اور اس طرح استاد تعلیم اور تربیت دونوں میدانوں میں فتح یاب ہوجائے گا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

"جو شخص اپنے تئیں عوام کا قائد جتائے اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کو تعلیم دینے سے پہلے اپنی ذات کو پہلے تعلیم دے اور اس کا کردار اس کی زبان سے پہلے ادب سکھائے"۔

احمد شلبی علم اور عمل کے اس رشتے کو مختلف حوالوں سے بیان کرتے ہیں:

جو شخص امام بننا چاہتا ہے اسے اپنے نفس کی تربیت کرنی چاہیے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی زبان سے زیادہ اپنی شہرت سے لوگوں کی تعلیم و تربیت کرسکے گا۔ (۸۷)

چھوٹے بچوں میں نقل کا مادہ ہوتا ہے ان کے نزدیک استاد ایک معیاری انسان ہوتا ہے ان کی آنکھیں اس کے افعال پر نظر رکھتی ہیں ان کے کان ان کا قول غور سے سنتے ہیں۔ اس کی پسند ان کی پسند اور اس کی ناپسند اس کی ناپسند ہوتی ہے۔

اپنی توجہ طلباء کی فضیلت علمی ہی پر مرتکز نہ کرے بلکہ ان کے کردار پر بھی پوری پوری توجہ دے اور کسی بے جا حرکت کی صورت میں نرمی سے شاگردوں کی سرزنش کرے۔ اپنے قوال کو اپنے اعمال سے قوت پہنچائے۔ اقوال دل میں اترتے ہیں لیکن اعمال کو آنکھیں دیکھتی ہیں اور

Scanned with CamScanner

آنکھوں کی تعداد دلوں سے زیادہ ہے۔

نصیحت کو موثر بنانے والی چیز نصیحت کے الفاظ اور ناصح کا انداز ہے۔اگر استاد درشت الفاظ استعمال کرنے غضب ناک رویہ اختیار کرنے اور سخت سزائیں دینے کا قائل ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی بات طلبہ پر مثبت اثر رکھتی ہے تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔سختی اور دباؤ سے کام لینے کے بجائے معلم کو شفقت کی زبان اور محبت کے لہجے میں بات کرنے چاہیے۔اس طرح درس و وعظ کا اثر بھی ہوگا اور طلبہ کی نظر میں استاد کی عزت بھی باقی رہے گی۔جو موثر ابلاغ کے لئے بے حد ضروری شرط ہے امام غزالی شاگردوں پر شفقت کو استاد کے لئے پہلا ادب قرار دیتے ہیں۔

ڈاکٹر ایم۔عزیز لکھتے ہیں:

''شفقت ورثہ پیغمبری ہے اگر مدرس کے درس میں اتنا رچاؤ ہے کہ وہ طالب علم کے لئے شغف پیدا کرسکیں تو جسے تعلیم میں دلچسپی نہیں بھی ہوتی وہ بھی دلچسپی لینے لگتا ہے''۔(۸۸)

بختیار صدیقی،معلم کے متوقع مثبت رویئے کے بارے میں لکھتے ہیں:

تعلیم کا مقصود متعلم کی خود متحرکی کو تقویت پہنچاتا ہے جو نرمی ، اور ہمدردی شفقت کے متقاضی ہے۔سختی اور درشتی کا انسان پر الٹا اثر پڑتا ہے۔(۸۹)

ابن خلدون جنہوں نے طلبہ پر سزا کے مضر اثرات پر تفصیل سے لکھا فرماتے ہیں۔تعلیم کے سلسلے میں مار پیٹ اور ڈانٹ ڈپٹ مضر ہے۔ان کے دل ودماغ پر استاد کا قہر ہی چھایا رہتا ہے۔بیچاروں کی طبیعت بجھ کر رہ جاتی ہے امنگ وحوصلہ پست ہو جاتا ہے شوق و دلچسپی جاتی رہتی ہے اور طبیعت میں سستی پیدا ہو جاتی ہے قہر و تشدد بچوں کو مکر و فریب ،جھوٹ اور دغا بازی کی تعلیم دیتا ہے۔(۹۰)

ڈاکٹر ایم۔اے عزیز اسلامی مفکرین تعلیم کے نظریہ سزا و جزا کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں"وہ خوف و وہراس کو انسانی شخصیت کی تہذیب و تربیت کے لئے مضر سمجھتے تھے۔اور اس لئے اس سے اجتناب کرتے تھے۔اور اس کے بجائے طلبہ کے اخلاق حسنہ،ذہانت عمدگی کا رویہ تحقیق پر انہیں اس کی جزا دینے کے قائل تھے۔ (۹۱)

تیسرا طریق تدریس

بحث کا طریقہ ہے یعنی جماعت میں صرف استاد ہی بولتا رہے بلکہ شاگردوں کو بھی تدریس میں شریک کرنے کے لئے حوصلہ افزائی کرے۔ وہ جماعت میں سوال و جواب اور بحث کی فضا پیدا کر کے زندگی سے پر تدریسی ماحول پیدا کرے۔ اسلامی مدارس میں یہ طریقہ ہر دور میں پوری افادیت کے ساتھ آزمایا جاتا رہا ہے۔ استاد کا طلبہ سے سوال پوچھنا طلبہ کا استاد سے سوال پوچھنا کمرہ جماعت میں ایسی فضا پیدا کر دیتا ہے کہ سارے طلبہ خود کو تدریس میں شریک سمجھتے ہیں اس طرح سبق میں دلچسپی اور کشش پیدا ہو جاتی ہے اور طلبہ میں علم کا ملکہ راسخ ہو جاتا ہے۔ حضورؐ اکرم کے نزدیک جہل کا علاج سوال ہے اور آپ سوال کو علم خزانے کی کنجی قرار دیتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں جاہل سوال سے نہ شرمائے اور عالم اگر کوئی بات نہیں جانتا تو اپنی جہالت کے اعتراف میں جھجک محسوس نہ کرے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں:

علم تلاش سے بڑھتا ہے اور سوال سے حاصل ہوتا ہے۔ حضرت اصعی کہتے ہیں عقل کے اندھے پن کا علاج سوال ہے۔

اسلامی مدارس میں کتاب کی خواندگی کا طریقہ، تقریری اور املائی طریقہ سوال و جواب اور بحث ومباحثہ کا طریقہ، سبھی تدریس کے لئے استعمال ہوتے رہے اور سبھی اپنے مخصوص رنگ میں مسلمان طلبہ کی تعلیمی ضروریات کو اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق پوری کرتے رہے۔

امام غزالی جماعت میں آنے سے پہلے سبق کی تیاری کی تاکید فرماتے ہیں اصلی سبق پڑھانے سے پہلے سبق کی تیاری کی تاکید فرماتے ہیں۔ اصلی سبق پڑھانے سے پہلے سابقہ واقفیت کا جائزہ لینے کے قائل ہیں۔ سبق کو طلبہ کی ذہنی استعداد سے ہم آہنگ کرنے اور آسان سلیس زبان میں پیش کرنے اور قول وفعل میں یکسانیت، اس کی تدریس کی تاثیر کی بہت بڑی ضمانت ہے۔

ابن خلدون نے کتاب کی تین خواندگیوں پر زور دیا تاکہ فن کے سارے گوشے طلبہ پر

Scanned with CamScanner

واضح ہو جائیں انہوں نے ایک وقت میں ایک فن کی تدریس تجویز کی تا کہ معلومات گڈ مڈ نہ ہوں اور طلبہ کی توجہ کا ارتکاز ایک ہی نوعیت کے مواد پر رہے انہوں نے مادری زبان کو ذریعہ تدریس بنانے پر زور دیا ان خیال میں غیر کی زبان میں تعلیم نصف تعلیم ہوتی ہے۔انہوں نے معلوم سے نا معلوم کی طرف پیش قدمی تجویز کی اور فن کی باریکیوں کو سمجھنے اور ملکہ راسخیہ کے حصول کے لئے بحث ومناظرہ کا طریقہ تدریس کے لئے پسند کیا۔

شاہ ولی اللہ نے کتابی طریقہ تدریس اختیار کیا اور کتابی مواد کی توضیح اور تشریح کے اصول اور طریقے وضع کئے۔ جسے انہوں نے طریقہ دانش مندی یا کتاب دانی کا فن کہا۔اس فن کو انہوں نے تین حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے طالب علم خود تحقیق وتدقیق کے ساتھ کتاب کا مطالعہ خود کرے ۔پھر استاد سے کتاب پڑھے اور آخر میں شاگردوں کی رہنماء اور آسانی کے لیے استاد کتاب پر حاشیہ یا شرح لکھے۔ کتاب فہمی یا کتاب دانی کے سلسلے میں اساتذہ اور طلبہ کو الگ الگ ہدایات بھی دیں۔

مسلمان مفکرین تعلیم نے ہر زمانے میں ان طریقوں میں مناسب اصلاح وتطہیر کی ،جس کے نتیجے میں ہمیں وہ تدریسی اصول اور طریقے ملے جو آج اسلامی تعلیمی اداروں کے لئے بھی موزوں اور آج کے مسلمان طلبہ کے لئے بھی مفید ہیں لیکن اگر بغور یکھا جائے تو مسلمان علما کے تجویز کردہ اور مسلمان اساتذہ کے آزمودہ سارے تدریسی طریقے معلم شریعت ہی کے انداز تعلیم کا عکس تھا۔ چونکہ امام غزالی کے نزدیک استاد کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ وہ صاحب شریعت کی پیروی کرے اس لئے مسلمان معلمین نے درس وتدریس کے شعبے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکمل اتباع کیا۔آج بھی اگر نبی اکرمؐ کی حکمت تعلیم کو اپنے مدارس میں اپنایا جائے تو مسلمان معلم اپنے فریضے کی تکمیل باوقار انداز میں کرسکتا ہے۔نعیم صدیقی نبی اکرمؐ کے معلمانہ منصب کے بارے میں لکھتے ہیں:

قرآن میں ایک سے زیادہ مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلم کتاب وحکمت اور مزکی قرار دیا گیا ہے حضورؐ خود کو معلم قرار دیتے ہیں مسجد نبوی میں بیک وقت آپ ایک طرف حلقہ ذکر دیکھتے ہیں اور دوسری طرف مجلس تعلیم وتعلم ،تو دونوں کا استحسان کرتے ہوئے مجلس تعلیم کو ترجیح دے کر اس میں جا شریک ہوتے ہیں۔(۹۲)

ذیل میں ہم اس تدریسی حکمت عملی پر بحث کرتے ہیں جو اسلامی نظام تعلیم کا خاصہ ہیں ان تدریسی حکمت عملی کو ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نے اپنی کتاب Teachers Training The Islamic Perspective میں درج کیا ہے۔ اس میں انہوں نے سب سے پہلے جس چیز کو واضح کیا ہے وہ یہ ہے کہ معلم جو چیز بھی پڑھائے اور جو وہ کہنا چاہے اس کو واضح الفاظ میں بیان کرے محض اپنے سبق کو ثقیل نہ بنائے۔ اپنے نفس مضمون کو آسان الفاظ میں بیان کرے کیونکہ معلم کا کام تو مشکل کو آسان کرنا ہے اور پیچیدہ مسائل کو حل کروانا ہے۔ طالب علم کو حصول علم میں اگر کوئی دقت ہے یا اس کے لیے کوئی عنوان مشکل ہے تو اس کا آسان طریقے سے حل کروانا ایک معلم کی ذمہ داری ہے۔

ایک اور حکمت یہ ہے کہ معلم اپنے طلبہ کو سبق کی طرف آمادہ کرے اور ان کو تیار کرے اس کے لیے وہ سابقہ معلومات سے ہوتے ہوئے سبق کی طرف بڑھتا ہے اور جو اس نے پڑھانا ہوتا ہے اس کی طرف بتدریج بڑتا ہے یہی قرآنی طریقہ تدریس ہے جس میں اللہ تعالی پہلے سوال کرتا ہے اور خود ہی جواب دیتا ہے اور یہی طریقہ نبی ﷺ کا بھی ہے جب انہوں نے حج کے موقع پر لوگوں سے سوالات پوچھے کہ آج کیا دن ہے؟ یہ کون سا شہر ہے؟ یہ کون سا مہینہ ہے؟ کیا ان سوالات کے جواب آپ ﷺ کو معلوم نہ تھے یقینا معلوم ہوں گے لیکن آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو دھیرے دھیرے مخصوص موضوع کی طرف لے کر آئیں پس یہی تدریسی حکمت ایک کامیاب حکمت ہے۔

اس کے بعد آپ نے مثالوں کے ذریعے طلبا کو سبق کی طرف آمادہ کرنے کا طریقہ و حکمت کا ذکر کیا ہے کہ معلم صرف کتابی علم پر ہی زور نہ دے بلکہ ان کو ان کی روزمرہ زندگی سے مثالیں دے کر ان کا تعلق سبق سے مربوط کرے یہ طریقہ عام طور پر ہمیں ریاضی کی ہر مشق سے پہلے دکھائی دیتا ہے کہ متعلقہ مشق کے بارے میں مثالیں پہلے درج کی جاتی ہیں کہ اس مشق میں اس طرح کے سوالات سے طلبا کا سابقہ پڑسکتا ہے لہذا وہ اس مثال کے طریقے سے سوالات کو حل کریں۔ اسی طرح زبان دانی میں بھی بعض امور کی وضاحت مثالوں سے کی جاتی ہے۔

یا اس کو اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ معلم جن اخلاقی خوبیوں کی تلقین کرتا ہے یا جو ان کو اعلی اخلاقی کردار کا درس دیتا ہے وہ پہلے خود اس اعلی کردار کی مثال اپنی ذات سے پیش کرے تا کہ طلبا اس کے کردار سے متاثر ہو کر اعلی اخلاق کو اپنائیں۔

یہ واضح ہے کہ کسی چیز کو بہتر طور پر ذہن نشین کرنے کے لیے تکرار ضروری ہے۔ اس اصول کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تدریس میں استعمال کیا ہے اور جو بات ضروری ہوتی یا جس امر پر زور دینا ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تکرار تین بار کرتے جیسے آپ کی ایک حدیث ہے کہ اس کی ناک خاک آلود ہوتی اس کی ناک خاک آلود ہوئی اس کی ناک خاک آلود ہوئی صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس کی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے ماں باپ دونوں یا کسی ایک کو پایا لیکن جنت میں داخل نہ ہوا۔

اسی طرح قرآن میں نماز کے حکم کی تکرار سات سو بار آئی ہے تو زکوۃ کا حکم ۲۷ دفعہ دہرایا گیا ہے۔ عموماً لمبے اور بور لیکچر سے طلبا اکتاہٹ کا شکار ہو جاتے ہیں اور مسلسل وعظ ونصیحت بھی بے کا باعث بنتا ہے لہذا موقع محل کے مطابق معلم وتدریس بھی اسلامی حکمت تدریس کا خاصہ ہے۔

ایک اور اہم تدریسی حکمت جو اسلامی طریقہ ہائے معلم میں نظر آتی ہے وہ ہے آسانی سے مشکل کی طرف یہ طریقہ بھی قرآنی طریقہ تدریج سے مطابقت رکھتا ہے کہ اگر کسی کام سے منع کرنے کی نوبت آئی تو اس کو یک دم حرام یا ناجائز قرار نہیں دیا بلکہ اس کام سے بیزاری اور اس کے نقصانات سے آگاہ کیا اس کے بعد حرمت کی آیات نازل ہوئیں جیسے شراب کا معاملہ ہے جب اس سے روکنے کا مرحلہ آیا تو پہلے یہ ناپسندیدگی کے بارے میں فرمایا:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ

(جاری ہے)۔

☆صریح وہ لفظ ہے جس کی مراد ظاہر ہوتی ہے جس طرح ''بعت اور اشتریت'' وغیرہ ☆

Scanned with CamScanner